

ماہنامہ دیوبند
حاجی

تاریکیوں میں ایک چراغ

ایڈیٹر۔ عارف عثمانی (دہلی دیوبند)

سالانہ آفرز دے



ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے
 سالانہ قیمت آٹھ روپے۔ فی پرچہ سترہ پیسے
 غیر مالک سے سالانہ قیمت ایک پاؤنڈ بشکل پوسٹل آرڈر
 پوسٹل آرڈر پر کچھ نہ لکھیے بالکل سادہ رکھئے

شمارہ نمبر
 جلد نمبر

دیوبند
 ماہنامہ
 تجلی

فہرست مضامین مطابق ماہ اپریل ۱۹۶۶ء

۴	عمر عثمانی	آغاز سخن
۸	اقبات	تسیج کے دانے
۱۱	عمر عثمانی	تجلی کی ڈاک
۳۷	شمس زبید عثمانی	کیا ہم مسلمان ہیں؟
۴۴	●	دو خط
۵۱	ملا ابن العرب گلی	مسجد سے میخانے تک
۶۱	مولانا عبدالرزاق عثمانی	جب اسلام کار فرما تھا
۶۷	جمیل مہدی	آج اور کل
۷۳	سیّد عظیم زبیری	باب الصحت



اشرفی

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وی پی کی اجازت دیں۔ آئندہ خریداری نہ رکھنی ہوتی بھی اطلاع دیں خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا (وی پی آٹھ روپے ستر پیسے کا ہوگا) منی آرڈر بھیج کر آپ وی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

پاکستان کاپتہ۔ مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مینا بازار

پرائی نجش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

مدیر
 عام عثمانی
 فاضل دیوبند

ترسیل زر اور خط و کتابت کاپتہ

دفتر تجلی۔ دیوبند ضلع سہارنپور (دیوبند)

پاکستانی حضرات!۔ اپنا سالانہ چندہ اوپر والے پتہ پر بھیج کر سید منی آرڈر ہمیں بھیجیں۔ یہاں سے رسالہ جاری کر دیا جائے گا۔

عمر عثمانی پرنٹرز نے "نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند" سے چھپو کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آغاز سخن

پھر چکر ایجنٹ کے یہاں کاٹے گئے ہیں۔ گیارہ روپے دو آنے خرچ ہوئے۔ اس طرح ستر بیسے کا پرچہ نہیں گیارہ روپے بیاسی پیسے میں پڑا۔ بتائیے یہ تاوان کون دے؟

ہم نے جواب میں لکھا کہ جناب کے کیس سے ناچیز کو بے حد ہمدردی ہے مگر علاج کچھ نہیں۔ علاج پس ہی ہو سکتا ہے کہ آئندہ آپ تجلی کی صورت تک سے بیزار ہو جائیں۔ بہت رسالے ہیں جو ہمیشہ ہر وقت شائع ہوتے ہیں۔ تجلی بیچارہ تو شاید تقدیر ہی ایسی لے کر آیا ہے کہ آسے دن کچھ نہ کچھ لیٹ ضرور ہوتا رہے۔ لیٹ ویسے تو نہ ہونا اگر راتم الحروف کا نقطہ نظر پس یہ ہونا کہ متعینہ صفحات کسی نہ کسی طرح کالے کر کے بروقت پیش کر دیے جاتیں۔ مگر دشواری یہ ہے کہ ناچیز کی نظر پس برچے کا معیار اور خصوصیات شائیں بھی ہے۔ سترہ سال ہو گئے برابر یہی کوشش رہی کہ تجلی کی انفرادیت اور افادیت کو ایک ایسی حقیقت بنا دیا جائے جس سے دوست اور دشمن کوئی بھی انکار کی مجال نہ کر سکے۔ یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہے اس کا فیصلہ خود آنجناب کے ذمے ہے۔ ہمیں تو یہی خوش فہمی ہے کہ اللہ نے ہماری محنت ضائع نہیں ہونے دی اور تجلی اپنے مدیر کی نااہلی، کم علمی اور ناتوانی کے باوجود —

ہزاروں دلوں کا محبوب اور ہزاروں آنکھوں کا تارا بن چکا ہے۔ وہ اپنا ایک رنگ ایک انداز ایک معیار و اسلوب اور انفرادیت رکھتا ہے۔ وہ محض چند کالے صفحات سے عبارت نہیں بلکہ الفاظ و معانی کے ایک خاص پیرائے اور اور پر داز سے عبارت ہے۔

ظاہر ہے آپ کو معذرتیں نہیں وقت پر رسالہ چاہیے۔ وقت پر رسالہ نہ لے تو آپ کا لڑھکا اور بیچ و تاب کھانا برحق بھی ہے اور ناگزیر بھی۔ ناگزیر اس لئے کہ آپ کے دل و دماغ کو تجلی سے گہرا لگاؤ ہے۔ گہرے لگاؤ کو محبت بھی کہتے ہیں۔ جس سے محبت ہو وہ وقت منتظر پر نہ آئے تو کرب و اضطراب پیدا ہونا عین فطرت ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں۔

اور برحق اس لئے کہ تجلی کے حصول پر جو پیسے آپ خرچ کرتے ہیں وہ عذر و معذوری کی گردان سننے کے لئے نہیں کرتے۔ انتظار کی کوفت اٹھانے کے لئے نہیں کرتے۔ آپ کی بلا سے کہ کب کا تب یا پیرس نے کیا کرتب دکھائے یا مدیر تجلی کے اوقات کا پرکب کس حادثے کی تجلی گری۔ آپ کو تو پیسے دینے اور وقت پر رسالہ لینا ہے۔ آپ کا اس بحث سے کیا بھلا ہو گا کہ پرچہ لیٹ ہونے میں مدیر تجلی کی سستی اور کاہلی کا دخل رہا یا بیچ بچ کوئی شدید مجبوری یا معذوری ہی اس کا سبب بنی۔ مان لیجئے مدیر پر تفصیر کو چانک اسی ہفتے میں ٹائیفا ٹڈیا در در گرجنے آگھیرا جس ہفتے میں تجلی کو مکمل ہو جانا تھا تو آپ کیوں نہرا بھلتیں یہ سزا ہی تو ہے کہ ماہ عیسوی شروع ہونے کے بعد ہی سے روزانہ آپ تجلی کا انتظار کر رہے ہیں اور تجلی ہے کہ بیچ ہی نہیں پارا ہے۔ آپ بھتی یا کلکتہ جیسی جگہوں میں دو روپے اسکو ٹر پر خرچ کر کے ایجنٹ کے یہاں پہنچتے ہیں اور ایجنٹ صاحب خشک لہجے میں جواب دیدیتے ہیں کہ ابھی تو آیا ہی نہیں۔ یہ سب سزای کی قسمیں ہیں۔ سزا کے سلسلے میں فقط ایک صاحب کا قصہ سنئے کہ جب رامہ قبل بڑے پر سوز اسلوب میں انھوں نے رقم فرمایا تھا

نہیں۔ اتنے ہی اہل علم و قلم کے اتنے مضامین تو قابل میں آج بھی موجود ہیں کہ تجلی کی کئی اشاعتیں کالی ہو جائیں۔ کاتب بھی ناپید نہیں۔ خانہ بڑی ہی پرانی ہو تو ہم جینے میں دو پرچے بھی نذر خدمت کر سکتے ہیں لیکن یہ دو آپ چوٹے میں کھدیں یا ردی میں بیچ دیں تو بتائیے ہماری اور آپ کی عاقبت کے قلم چلے گی!

حاصل اس داستان نہرائی کا اس ناگوار حادثے کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ اگلا یعنی مئی کا تجلی بھی لیٹ ہی ہو گا اور لیٹ اسے ہم اچھی طرح کرنا چاہتے ہیں تاکہ پابندی وقت کا نظم قائم کرنے کے لئے ہمیں موقع مل سکے۔ یہ درست ہے کہ اس قسم کا موقع حاصل کرنے کے چکر میں ہم بارہا آپ کو پہلا پھسلا کر ایک ایک پرچے پر دو دو ہینوں کے نام درج کر آئے رہے ہیں اور کچھ ہینوں بعد پھر وہی بد نظمی شروع ہو گئی ہے۔ مگر مایوسی تو کفر ہے۔ آدمی کا کام کوشش کرنا ہے۔ لگے رہنا ہے۔ بچپن میں شاید آپ نے بھی پڑھا ہو:۔

دکان بند کر کے رہا بیٹھ جو
تو دی اسے بالکل ہی لٹیا ڈبو

ہم کتنی ہی بار ناکام ہوں مگر ہمت ہارنے کے قابل نہیں۔ چند بار کی ناکامی سے یابوس ہو جائیں تو مسلمان ہونے کا ایک فائدہ۔ مسلمان ہونے میں تو فائدہ ہی ہے کہ آخری سانس تک اس کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹتا۔ السعی متی والالانام من اللہ۔ اب کی پھر عزم کیا ہے کہ مئی کے پرچے کو ختم مئی تک لیٹ کر یکم جون کو روانہ کریں اور ماہ مئی کے دوران اتنا کام کر ڈالیں جو آئندہ ہر ماہ ٹھیک تاریخ پر روانہ کر دینے میں معاون ثابت ہو۔ دعا آپ بھی کیجئے کوشش ہم بھر پور کریں گے۔ یہ ضمانت تو کوئی بھی نہیں دے سکتا کہ کل کیا ہونا ہے۔ عین ممکن ہے وہ ہاتھ ہی بے جان ہو جائے جس کے قلم سے آپ یہ لایعنی قسم کا ادارہ برداشت کر رہے ہیں۔ عین ممکن ہے زمین فتن ہو اور آپ کو اکثر و بیشتر زحمت انتظار میں ڈالنے والا مدیر تصیر اس میں سما جائے۔ سبھی کچھ ممکن ہے۔ لیکن اگر فضل خداوندی سے کوئی غیر معمولی رکاوٹ حادثے یا مرض یا "ایرگ مفاعہ"

آپ کہیں گے کہ یہ عجیب طرح کی عیاری ہے تاخیر کی معذرت کرتے کرتے تجلی کے قصبے شروع کر دیتے گئے اور اظہار ندامت کے عوض خود ستانی کا راگ چھیڑ دیا گیا۔ استغفر اللہ۔ خود ستانی سے ہزار بار خدا ہی پناہ۔ مقصود بس یہ کہنا ہے کہ جو بھی اچھا یا برا معیار تجلی کا قائم ہو چکا ہے اسی کو باقی رکھنے کے لئے ہم آئے دن اسے تھوڑا بہت لیٹ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اصل اہمیت اس کی نہیں کہ ہمیشہ تاریخ معینہ پر پرچہ ضرور پوسٹ ہو جائے۔ اصل اہمیت تو اس کی ہے کہ پرچے کی انفرادیت مجروح نہ ہونے پائے اور جب بھی ناظرین اسے کھولیں انھیں کوفت اور مایوسی نہ ہو۔

الحمد للہ آج تک تو کارساز حقیقی نے ہمیں ہماری کوششوں میں کامیابی ہی دی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ غالباً ہمارے گناہوں کی پاداش میں یہ کوششیں اس اعتبار سے ناقص ضرور ہیں کہ انفرادیت کے ساتھ ساتھ پابندی وقت کی نعمت پورے طور پر میسر نہیں آسکی ہے۔ یہ ہرگز مدت سمجھئے کہ تاخیر سے بس آپ ہی کو کوفت ہوتی ہے ہمیں نہیں۔ ہمیں بھی بڑی کوفت ہوتی ہے اور اسی کوفت کی رو میں کبھی کبھی تو ہم یہ بھی خیال کر گذرتے ہیں کہ جلد صفحات تو پورے کتابت ہو ہی چکے ہیں کامیاں پر بس پھو جو اور مشائقین کو ٹھیک وقت پر پرچہ پیش کر دو۔ مگر پھر طبیعت رکتی ہے جب یہ محسوس کرتے ہیں کہ پرچے کی معروف دل کشی اور افادیت میں ابھی فلاں کسر باقی ہے۔ اس کے بغیر پرچہ چھپ ہی گیا تو کیا خاک چھپا۔ تیجہ اکثر یہی نکلتا ہے کہ بعض کتابت شدہ ادراق آگے کے لئے روک دیئے جاتے ہیں اور کسر پوری کر کے میں مزید وقت کھپا دیا جاتا ہے۔ اس نتیجے کے چکر میں پرچہ چند روز لیٹ نہ ہو تو کیا ہو۔

اسی شمارے کو لیجئے۔ تقریباً دو ہفتے لیٹ آپ کو پہنچ رہا ہے۔ خود سوچئے اگلا پرچہ۔ جسے مئی کے شروع میں چھپ جانا چاہئے تھا کیونکہ ہر وقت چھپ سکے گا جب کہ تسوید و تکمیل کے لئے دو ہفتے بھی میسر نہیں آتے۔ نفس مضامین کی کمی

فکر اور ہامان و شہادت کی تہذیب کو لٹکا را۔ اس نے پھر بھی دعوت حق کو زندہ کیا۔ اس نے پھر بھی دین محمد کو تحریف و تضحیک کے جبرٹوں سے نکالنے کے لئے جرات کا قدم آگے بڑھایا۔ پھر جھلا اس کے سوا کیا ہو نا تھا کہ جمال عبدالناصر نے سرے سے اپنے ظلم و تشدد کی روش کو دہرائیں اور قتل کی سازش کا ایک مقدمہ کھڑا کر کے پھر سے اغوا بیوں پر دائرہ حیات تنگ کریں۔ آج دو سو سے زائد اغوا بیوں پر قتل کی سازش کا مقدمہ چلا جا رہا ہے اور مصر کے اغوا بیوں کا بچہ بچہ ایک خوفناک آزمائش اور کشمکش کی زد میں ہے۔

ٹھیک ہے کہ ہندوستان میں بیٹھ کر ہم مصر کے نسبی واقعے یا مقدمے کے بارے میں مشاہداتی سطح پر کوئی یقینی بات نہیں کہہ سکتے۔ لیکن جیسا کہ تمہید میں عرض کیا گیا یقین ہمیشہ مشاہدے ہی کا محتاج نہیں ہو کر تا۔ بہت سے عقلی مدد رکات اتنے اٹل اور قطعی ہوا کرتے ہیں کہ ہزار مشاہدے بھی ان کی گہرائی اور گیرائی کو نہیں پہنچ سکتے۔ آپ نے سنا ہی ہو گا۔ روسی خلا باز کو خلا میں خدا نہیں نظر آیا تھا اور اس نظر نہ آنے کو ایک مشاہداتی استدلال قرار دے کر اس نے الحاد کا پرانا سرمن دہرایا تھا مگر کیا سچا سچا اسے اس کی دلیل بازی بھی اس یقین محکم کے لئے کوئی خطرہ قرار دی جا سکتی ہے کہ خدا ہے۔ خدا ہے۔ خدا ہے۔

عین شاہراہ پر فرعون کے مجسمے نصب کر نیوالے کے بارے میں آخر یہ حسن ظن سوائے احمقوں کے اور کون کر سکتا ہے کہ اسے موسیٰ کے خدا پر بھی کوئی اعتماد ہو گا۔ پھر وہ کو ساخرا ہے جس کے دین پر ایمان لانے کا نام جمال عبدالناصر کی لغت میں "اسلام" ہے یہ سوال آپ ذیل کی اطلاع کے سہارے حل کیجئے۔

مولانا عبدالماجد ربابادی نے بھی اپنے "صدقہ جدید" میں ایک انگریزی اخبار کے تراشے سے خبر دی تھی اور کراچی کے فاران نے بھی اپریل ۱۹۷۷ء کی اشاعت میں اسی خبر کو کسی مہری اخبار سے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو (جمہوریہ متحدہ عرب) حجرات۔ کل یہاں

کی شکل میں وارد نہ ہوئی تو راقم الحروف توقع رکھتا ہے کہ جون سے نظم انشاء اللہ درست ہو جائے گا۔ فقط نظم ہی درست نہیں کرنا ہے بلکہ ابھی تو "خاص نمبر" کا وعدہ پورا کرنا ہے۔ وعدہ اتنا پرانا پڑ گیا کہ آپ شاید اسے کا عدم قرار دے چکے ہوں مگر پرانا پڑ جانے کے باوجود ہم یقین دلاتے ہیں کہ اسے دفن نہیں کیا گیا۔ وہ ابھی زندہ ہے اور خدا نے چاہا تو ایسا کر لیا اس پہن کر جلد ہی آپ کی اس بدگمانی کو رفع کر دے گا کہ تجلی کا نالائق مدیر بڑھنے کی چوٹ جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔

موسیٰ اور فرعون کے دیار میں

خدا کو آنکھ سے تو نہ آپ نے دیکھا ہے اور نہ ہم نے۔ مگر کتنے وثوق اور قطعیت کے ساتھ ہم اور آپ دونوں کہتے ہیں کہ خدا ہے۔ نہ صرف ہے بلکہ پوری کائنات پر منحصر بھی ہے۔ ہر شے پر قادر بھی ہے۔

بس اسی طرح ہر وہ شخص جسے خدا نے عقل مسلم دی ہے مصر جائے بغیر اور جمال عبدالناصر کا دیدار کے بدون ہی پورے وثوق اور قطعیت کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اغوا بیوں پر جو ہولنا مظالم پہلے توڑے گئے تھے وہ بھی اور جو اب توڑے جا رہے ہیں وہ بھی تاریخ کی اسی داستان کش کا ایک حصہ ہیں جسے پورے آسمان نے نمود اور اہرامیم فرعون اور موسیٰ ابو جہل اور محمد کے درمیان بارہا برپا دیکھا ہے۔

نہ ستیزہ گاہ جہاں تھی نہ حریف بچہ فلک نئے

وہی نظرت اسد الہی وہی جعفری وہی عتبری

ملک بھر کے نوزائیدہ بچوں کو زنج کڑا لے کا حکم دے کر فرعون نے سمجھا تھا کہ اب کوئی موسیٰ روئے گیتی پر سانس نہیں لے سکے گا مگر موسیٰ کی عمر طویل تو مقدر کا نوشتہ تھی۔ بس اسی طرح جمال عبدالناصر نے بھی اغوا بیوں کے متعدد سربراہوں کو پھانسی دے کر اور اقامت دین کی تحریک سے ذہنی تعلق رکھنے والے ہزاروں ہزار اربندگان خدا کو طوق و سلاسل کی بنشوں میں جکڑ کر اربابانڈھی تھی کہ اب کبھی یہ جماعت زندگی کا سانس نہ لے سکے گی مگر پھر بھی زندہ رہی۔ اس نے پھر بھی فرعون و لو آہ کے

الہیہ کے عظیم مندروں کی تعمیر شروع ہوئی۔
 مہر کے وزیر نے صدر ناصر کی طرف سے دو پتھر
 مندر کی بنیاد میں رکھے۔ ان دو ڈھلانوں پر
 مہر کے چار قیم دیوتاؤں کی مورتیاں بنی ہوئی
 تھیں۔ ان دونوں مورتیوں کے نیچے وزیر یاسین
 نے دو نسخے قرآن کے رکھے اور دو نسخے مہر کے
 قومی دستور کے۔۔۔۔۔

ہے کوئی ایسا مسلمان جو سچ حج محمد رسول اللہ کی شریعت
 پر ایمان رکھتا ہو اور اس خبر کو پڑھ کر اس کے سینے میں کالا
 نہ اتر جائے۔ ہے کوئی حساس مومن جو مورتیوں کے زیر
 قدم قرآن رکھے جانے کی اطلاع سن کر یہ کہنے میں تکلف محسوس
 کرے کہ جس حکومت کے ایما پر یہ ہوا ہے وہ حکومت کسی
 پوپ کسی غمزدگی فرعون کی تو ہو سکتی ہے کسی مومن مسلم کی
 ہرگز نہیں!

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسی حکومت اگر شاہ فیصل جیسے
 لوگوں کی دعوت اتحاد اور اخوت اسلامی کی آواز کو سامراجی
 کی صدائے بازگشت نہ کہے گی تو پھر کیا کہے گی۔ پیر اور کلمہ سب
 سے زیادہ اسی اسلام ہی سے تو ہے جس کے نام کی آڑ میں
 ”مہر کے نجات دہندہ“ کا نصر اقتدار چھا ہوا ہے۔ خوب
 ہے تہ تی کا یہ زمانہ۔ علم و سائنس کا یہ دور۔ تعقل کا یہ
 عہد زریں۔ فرعون کے مجسمے بنا کر مندروں کی تعمیر نو
 کر کے اور دیوی دیوتاؤں کے قدیموں میں قرآن رکھ کر
 بھی لوگ ٹھٹھا سے خود کو مسلمان کہہ رہے ہیں اور کوئی
 نہیں جوتان کی اس حیرت ناک جھارت کو لگا کر سکے۔ ان کی
 آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر محاسبہ کر سکے کہ تم یہ کیا کھیل
 کھیل رہے ہو۔ حد ہے کہ دنیا بھر کے اکثر علماء اور ارباب
 اقتدار بھی اس لہزہ خیز کھیل کو یوں بے تعلقی سے دیکھ رہے ہیں
 جیسے اسلام سے، قرآن سے، اصول دین سے ان کا کوئی جذباتی
 رشتہ ہی نہ ہو۔ جیسے قرآن کی عظمت، اسلام کی عقوت، نبوت
 کی تقدیس اور دینیتین کی حرمت کوئی معنی ہی نہ رکھتی ہو۔ ہم
 اپنے آس پاس ہی ایسے بہتیرے لوگوں کو جانتے ہیں جن کی

پشانیوں پر مسجدوں کے نشان اور جن کی زبانوں پر وظائف
 کی گونج ہے۔ جن کی دستار آدھے تھان سے کم کی نہیں ہوتی
 اور جن کے جتوں کے دامن ان کے ارادت مند اس دعوے کے
 ساتھ چوڑتے ہیں کہ بغیر اس کے فرشتوں کو وضو کا پانی ہت
 نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ اہل زہد و تقویٰ اخوان المسلمون پر توڑے
 جانے والے ظلم و ستم کے بارے میں بڑے ضابطہ و صابر ہیں۔
 بلکہ ایمانداری کی بات یہ ہے کہ اطمینان اور مسرت ہی کی سی
 لہران کے جہروں پر دوڑتی نظر آتی ہے اور جمال عبدالناصر
 کے بارے میں تو بھی کوئی ایسا لفظ یہ نہیں کہہ پاتے جس سے یہ
 معلوم ہو جائے کہ دنیا کا کوئی کفر و زندقہ اس مرد مومن کے
 لئے بھی کفر و زندقہ کے ہم معنی ہو سکتا ہے۔
 برتر ہے وہ ذات جس نے ایک یوم عظیم حساب کتاب کے
 لئے بھی معین نہ سما یا اور ہر شخص کے کاغذوں پر فرشتے بھی مقرر
 فرما دیئے کہ اعمالنا سے لکھیں اور رطبت یا بس کچھ نہ چھوڑیں۔
 یہی دن ہے جب خطانہ کرنے والے آلات کے ذریعے یہ بھی
 پیمائش ہو جائے گی کہ کس کے دل میں اسلام اور اہل اسلام کا
 کتنا درد تھا۔ کون اپنی محبت اور نفرت، بغض اور دوستی کو اللہ
 کے لئے خالص کر کے رکھا تھا اور کون دنی فطرت کینگی کی اس ارذل
 سطح پر پہنچ گیا تھا کہ چونکہ مہر کی اخوان المسلمون فکری و نظری سطح
 پر جماعت اسلامی سے کامل مشابہت رکھتی ہے اس لئے
 اس کی برصیلت اور ابتلاء پر کم سے کم ذہن و قلب کی ڈیورٹی
 میں تو سنا دینے بچنے ہی چاہئیں۔

اشکوں اور آنہوں کے سوا ہمارے پاس کچھ بھی نہیں۔
 دعائیں ہیں مگر بے اثر، غم ہے مگر بے مصرف۔ اخوان المسلمون
 کی مظلومیت پر احتجاج اور عبدالناصر کی خدا نافرستی پر بیچ و
 تازے کیا حاصل ہو گا یہ ہم نہیں جانتے۔ بیٹا مرنے سے ماں
 باپ اٹسو ہاتے ہیں۔ اٹسو ہانے سے ظاہر ہے کچھ بھی حاصل
 نہیں ہوتا مگر یہ فطرت ہے۔ شاید اسی طرح ہماری بھی فطرت
 یہ ہے کہ خنجر چلے بھی دیا رکے اہل ایمان پر میں محسوس ہوتی
 ہے میں اپنے قلب و جگر میں۔ یہی میں آج چند لفظوں کے قالب
 میں ڈھل کر کاغذ پر آگئی ہے۔ کوئی اور بھی جھپٹ محسوس کرے تو مظلوم

اور انہوں نے جو اور حال امر کیلئے دعا ہے

تسبیح کے دانے

انسان — خطا کا پتلا!

فرمایا — حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تعلیم دی کہ وہ نماز کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کریں :-

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ ظُلْمًا كَثِيْرًا
وَلَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِيْ
مَغْفِرَةً مِنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِيْ لِاَنَّكَ
اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔

یعنی اے اللہ میں نے اپنے نفس پر بڑا ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہوں اور خطاؤں کا بخشنے والا نہیں۔ پس تو شخص اپنے فضل و کرم سے رحمتیں گویا میرے استحقاق کو کوئی دخل نہیں ہے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ بخشنے والا اور رحم کرنے والا یقیناً تو ہی ہے۔

ذرا سوچئے حضورؐ نے یہ دعا حضرت ابو بکر صدیقؓ کو تلقین فرمائی ہے جو اس ساری امت میں اکمل و افضل ہیں اور بالخصوص ان کی نماز خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک ایسی کامل ہوئی تھی کہ آپ نے ان کو خود امام نماز بنایا۔ باوجود اس کے ان کو بھی یہ تعلیم فرمایا کہ نماز کے آخر میں اللہ پاک کے حضور اپنی کوتاہی اور عبادت کا حق ادا نہ ہو سکے گا اعتراف اس طرح کیا کرو اور اس طرح شخص اس کے فضل اکرم سے مغفرت و رحمت کی درخواست

کر دو — پھر کجا ماد شہما؟ (مولانا ایاز)

غفلت کی انتہا

فرمایا — انسان کا قیام زمین کے اوپر بہت کم ہے (یعنی زیادہ سے زیادہ عمر طبعی کی مقدار) اور زمین کے نیچے اس کو اس سے بہت زیادہ قیام کرنا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ دنیا میں تو تمہارا قیام ہے بہت مختصر اور اس کے بعد جن جن مقامات پر پھیرنا ہے۔ مثلاً مرنے کے بعد نفخہ اولیٰ تک قبر میں اس کے بعد نفخہ ثانیہ تک اس حالت میں جس کو اللہ ہی جانتا ہے (اور یہ مدت بھی ہزار ہا برس کی ہوگی) اور پھر ہزار ہا برس ہی عرصہ محشر میں۔ اسکے بعد آخرت میں جس ٹھکانے کا فیصلہ ہو — غرض دنیا سے گزرنے کے بعد ہر منزل اور مقام کا قیام دنیا سے سیکڑوں ہی گنا زیادہ ہوتا ہے — پھر انسان کی غفلت ہے کہ دنیا کے چند روزہ قیام کے لئے وہ جتنا کچھ کرتا ہے ان دوسرے مقامات کے لئے اتنا بھی نہیں کرتا۔ مولانا ایاز

مولانا مودودی اور نیا عرب

صدق جدید لکھنؤ میں مولانا حبیب ریحان ندوی بھوپالی کا ایک مکتوب شائع ہوا ہے جس کے آغاز میں صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ مصر میں حفظ قرآن پر ہزاروں پونڈ صرف کئے جاتے ہیں اور مصر کے سب سے عظیم تاریخی شیخ مصطفیٰ اسماعیل کو حکومت مصر نے تنغدے کر فن جوید و قرأت کی

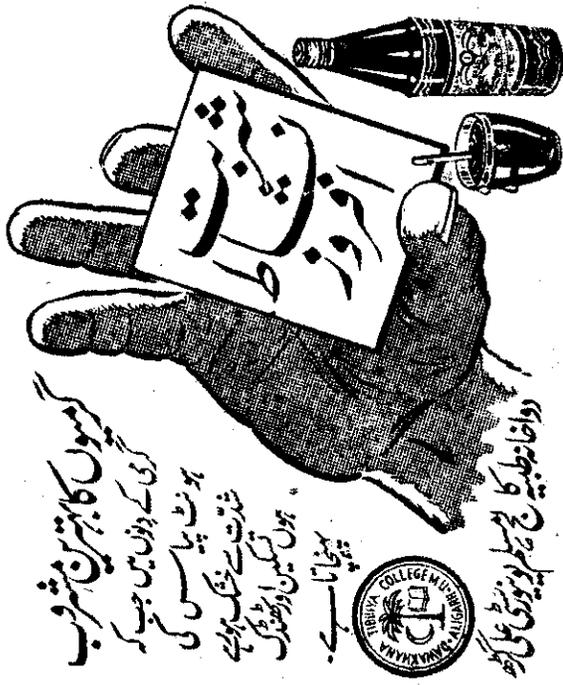
حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس تفصیل کے بعد لکھتے ہیں:-

”... ہم لوگ عید کے دن فضیلتہ شیخ عبدالحمید الدمیانی شیخ النجاشی (چانسلر) الاسلامیہ کو عید کی مبارک باد دینے گئے۔ چند رسمی جملوں کے بعد شیخ نے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی خیریت پوچھی میں نے کہا مجھے پتہ نہیں انشاء اللہ ٹھیک ہی ہوں گے۔ وہ تو پاکستان میں رہتے ہیں، کہنے لگے وہ دور اہل ہندوستانی ہی ہیں۔ یہ تقسیم تو بعد کو ہوئی ہے اور اسلامی رشتہ سب سے قوی ہے۔ الغرض ہم لوگ چالیس منٹ بیٹھے جس میں تیس منٹ تک مولانا کی تفکیر ان کی تالیفات اور نقطہ نظر کی تعریف کرتے رہے، کہنے لگے۔ ان سے بڑا مفکر اسلامی دنیا میں کوئی دوسرا نہیں، دین دنیا کا جو جامع تصور انھوں نے پیش کیا ہے، وہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے! نیز کمبوزم، کیشیل ازم اور دوسرے اقتصادی نظاموں کے مقابلے میں انھوں نے اسلامی نظام اقتصادی جو شرعیں کی ہیں وہ قانون اسلامی کے محققین کے لئے عالم عربی و اسلامی میں نعل راہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی نازہ کتاب ”حرکتہ تحدید النسل“ ہر تھ کٹر دل کی تعریف کرتے ہے ”پردہ“ اور ”سود“ کی بھی تعریف کی، کہنے لگے مودودی صاحب کی تفکیر میں منطقی تسلسل ہے اور پڑھنے والے کو وہ ایک طرف قائل بناتے ہیں اور دوسری طرف اپنی شخصیت کا گرویدہ بھی! میں نے مودودی صاحب کو دیکھا نہیں ہے۔ میری سب سے بڑی تمننا ہے کہ ان (مولانا مودودی) کو ایک دفعہ دیکھ لوں۔ اسلامی یونیورسٹی دہلی کو دعوت نامہ ارسال کر چکی ہے کہ وہ تیبیا کی زیارت کریں، لیکن کبھی وہ مصروف ہوتے ہیں اور کبھی جیل میں۔ اس سال بھی دعوت نامہ ارسال کیا ہے۔“

مولانا کے محترم شیخ کے ان جملوں سے اس قدر خوشی ہوئی کہ میں مبتلا نہیں سکتا۔ یہ تو مجھے پہلے سے

جسکے مصر اور عالم عربی میں آیا ہوں۔ یعنی ستا سال سے معلوم ہے کہ مولانا مودودی کی شخصیت دنیائے اسلام میں سوز زمین عجم کی سب سے مشہور شخصیت ہے۔ مولانا کی پچاس اردو کتابوں کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ مصر کی وزارت اوقاف نے انکی ایک کتاب ایک لاکھ کی تعداد میں چھاپی تھی۔ پچھلے سال سعودی عرب میں ان کی بعض تقریریں اور کتابوں سے بعض مغلط ہزاروں کی تعداد میں چھپے تھے۔ تیبیا کا ہر ٹیٹھا لکھا آدمی مولانا کا عاشق ہے۔ اور ان کی پچاس کتابوں کا سیٹ اپنے پاس رکھتا ہے، جس دن مولانا پاکستان میں گرفتار ہوئے تھے تو تیبیا کے ریڈیو اور اخبارات نے حکومت پر سخت تنقید کی تھیں بعض طلباء نے عم کے آخر سے دو دن تک گویا خاموش اسٹراٹک کی تھی۔ نیز شام، فلسطین، اردن، سوڈان ہر جگہ مولانا مودودی سب سے عظیم اسلامی کاتب کی حیثیت سے مشہور ہیں۔ لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ شیخ النجاشی جیسے عظیم عالم کی بھی یہ رائے ہوگی حالانکہ اس سے قبل شیخ الازہر سنتوت مرحوم کے لفظ مبارک سے بھی تقریباً اسی کے مشابہ جملے سن چکا تھا۔ بہر حال مجھے انتہائی خوشی ہوئی اور میں نے خدائے پاک کے دربار میں سجدہ شکر ادا کیا کہ اس نے مودودی صاحب کی شہرت کے ذریعہ پردیس میں ہم لوگوں کی عزت بھی رکھی۔

اس واقعہ کے نقل کرنے کے یہ معنی انہیں ہیں کہ مودودی صاحب کے افکار سے بھی میں مکمل طور پر متفق ہوں یا یہ کہ مودودی صاحب معصوم عن الخطا ہیں لیکن آنا ضرور ہوں گے کہ سمرزمین ہند کو اس کا دس فی صدی بھی علم نہیں کہ پورے عالم اسلامی میں ایران سے لیکر تراکش تک اور ترکی سے لیکر سوڈان تک مولانا کا کیا مقام ہے!



اور ہندوستانی و پاکستانی صحافت کو بھی میرا مشورہ ہے جس کا کام برلنسا کی "تعمیری غلطیاں" پیش کرنا ہے کہ وہ کسی تعمیری کام میں اپنا وقت صرف کرے اسلام اس کا نام نہیں کہ دوسرے کی غلطیاں نکالی جائیں بلکہ دنیا کے سامنے مرض کی تشخیص کیجئے اور علاج پیش کیجئے۔ کیونکہ مودودی صاحب نے جو مرض تشخیص اور جو علاج پیش کیا ہے ہندو پاک کے چند علماء کو چھوڑ کر پورے عالم اعلیٰ نے اس مرض کو ہلک جا لیا ہے اور اس علاج کو صحیح مانا ہے۔"

ان نزرگوں کو کیا کہتے جو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی تشخیص و تدبیر بلکہ آبروریزی کے درپے ہیں اور مولانا موصوف کو "منشی" کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں اور مطمئن ہو جاتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں دنیا بھی اسے صحیح تسلیم کر رہی ہے حالانکہ ایسی اونچی باتوں سے یہ حضرات خود اپنے وقار کو گرا رہے ہیں۔ (خاران - کراچی)

عطر روح چمن

دنوازا اور پرکف خوشبو تینا اور دیرپا
ایک تولہ :- بارہ روپے — چھ ماشہ :- ساڑھے چھ روپے
تین ماشہ :- ساڑھے تین روپے — ڈیڑھ ماشہ :- دو روپے

گلزار سینٹ

نسبتاً ہلکی خوشبو۔ فوحت بخش اور روح پرور
ایک تولہ :- دس روپے
۶ ماشہ :- ساڑھے پانچ روپے
۳ ماشہ :- تین روپے
ڈیڑھ ماشہ :- ڈیڑھ روپے

تریاق معدہ

معداء و جگر کیلئے ایک نعمت
ریاحی تکالیف کے لئے

خاص تحفہ

خوراک صرف ایک رتی مفصل ترکیب
ساتھ بھیجی جاتی ہے۔
۲۱ دن کا کورس تین روپے

عطر تریاق معدہ درخفت کے ساتھ طلب کیا جائے تو علیٰ رداک طرح نہیں لگتا

دار الفیض رحمانی - دیوبند (دیوبند)

تجلی کی ڈاک

اہل حدیث اور مقلدین

سوال ۱:۔ از غلام رسول۔ سری نگر (کشمیر)
ہم نے ماہ جون ۱۹۶۷ء کو ایک سوال بعنوان "نفسانیت کے جلوے" سوال علا ارسال کیا تھا۔ آپ کے اسکا جواب بہت شاندار دیا تھا۔ وہ یہاں کے اہل حدیث میر واعظ صاحب کے متعلق تھا وہ جمعہ کے روز نماز سے پہلے خطبہ کی کشمیری زبان میں تشریح کرتے ہیں۔ اس میں انھوں نے بہت دفعہ مولانا مودودی کو منکرین حدیث میں شمار کیا اور لوگوں میں اعلان کرنے رہے۔ پھر ہم نے آپ کو یہ سوال روانہ کیا تھا آپ نے تجلی کی ڈاک ماہ جون ۱۹۶۷ء سوال علا صفحہ ۳۲ پر اس کی وضاحت کی ہے آج تک دس چینیے ہو گئے مگر ان دس چینیوں میں میر واعظ صاحب نے پھر مولانا مودودی کے خلاف کوئی بات خطبے کے دوران نہیں فرمائی۔

میر واعظ صاحب ایک پندرہ روزہ اخبار "توحید" کے ناک سے نکالتے ہیں اخبار کا نام توحید ہے اخبار میں مضامین توحید سے بھر پور ہوتے ہیں۔ تنازعہ اشاعہ یکم مارچ ۱۹۶۷ء صفحہ ۱۷ پر خود ہی سوال تحریر کیا ہے اور خود ہی دس چینیے کے بعد جواب دیا ہے۔ معلوم نہیں سن چینیے کیوں چپ رہے۔

اب جواب لیتے۔ جواب کیا دیا ہے اس سوال کا جو جون ۱۹۶۷ء میں آپ نے تجلی میں کیا تھا۔

"غرض اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔ اہل حدیث قرآن کو ہمتال و بنظر امد آشنا قانون اسلامی کا جامع سمجھتا ہے۔ اسلئے حملات کو احادیث شریفہ کی تفسیر و تشریح میں واجب العمل جانتا ہے اور جب صبح اللکتاب بعد کتاب اللکتاب صحیح بخاری شریف کو مانا گیا ہے۔ یہ کتاب شریف بیباک کتب حدیث میں برئے روایت نفوق کا درجہ رکھتا ہے۔ تمام فقہرات پر

بروئے روایت ترجیح رکھتا ہے۔ قرآن حکیم کے کسی حکم کی تفسیر میں بخاری کی حدیث عمل کر نیکیو ایسی کافی و روانی ہے کہ اسکے مقابلے پر ہی تہمت نام کا قول قابل قبول نہیں مانتا ہے۔ چچا منگہ کی کالٹر پور میں کیا جاوے۔ اہل حدیث کا کہنا ہوتا ہے۔

خواب عالم یک طرفہ :۔ آن جان جاناں یک طرفہ اور اہل حدیث کا عقیدہ ہے۔

ہوتے ہیں مصطفیٰ کی گفتار پر مدت دیکھ کسی کا قول استفادہ جب اصل سے تو نقل کیا ہے چہاں وہم و خطا کا دخل کیا ہے۔ قرآن حکیم کے علوم کی عملی تشکیل رسول اللہ کی ہی خدمت ہے۔

ذخیرہ حدیث میں صحاح ستہ۔ مؤطاہ مالک سنن داری اور ان سب پر صحیحین شریفین سب سے اول بخاری شریف ہے۔

بس یہ تھا اس سوال کا جواب۔ اور بھائی عامر

صاحب ہم جب میر واعظ صاحب کے پاس ملاقات کرنے گئے تو ہم نے وہاں دیکھا کہ غیر محرم عورتیں میر واعظ کے پاس آتی ہیں اور وہ تعویذ تو لپی کرتے اور پھونک مارتے ہیں۔ غیر محرم عورت کو۔ وہ نقاب پوش ہوتی ہے۔

میر واعظ صاحب آدھ گھنٹے میں تین پھونک مارتے ہیں اور ہر ایک پھونک پر عورت نقاب اوپر اٹھاتی ہے۔ میر واعظ صاحب پھونک مارتے وقت اس کے منہ کو پوری نظر مارتا ہے۔

کیا حدیث نے غیر محرم عورت کو نظر مارنے پر تنبیہ نہیں کی؟

اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ یہی غیر محرم عورتیں امتحان میں شامل ہونا چاہتی ہیں۔ آدھی گنوا ریاں ہوتی ہیں آدھی شادی شدہ اور سحت عاجزی میر واعظ صاحب کے آگے

جو دو شعر میر صاحب نے اپنے مضمون میں درج کئے وہ یہ ہیں
دیگر اہل حدیث حضرات سے بھی سننے ہیں اور ان کے رسائل
میں بھی دیکھے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ شعر بجائے خود نہایت
عمدہ مفہوم کے حامل ہیں مگر خرابی یہ ہے کہ اہل حدیث دوستوں
کو ہم مقلدین کے بارے میں غلط فہمی ہو گئی ہے۔ غلط فہمی پیدا
کرنے میں خود ہم مقلدین کی بعض حرکتوں کو کس حد تک خل
سے اس المناک مضمون کو چھوڑیے۔ واقعہ یہ ہے کہ تقلید
کے سلسلے میں ہمارے یہاں غلو ضرور پایا جا رہا ہے۔ لیکن تمام
اہل حدیث حضرات — خصوصاً میر واعظ صاحب اچھی
طرح سمجھ لیں کہ حدیث کی عظمت و تقدس اور حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کے مقام و منصب کے بارے میں جو ذہن اہل حدیث حضرت
کا ہے وہی تحناط اور اعتدال پسند فقہاء کا بھی ہے اور ہمیشہ
رہا ہے۔ قرآن کو اہل حدیث ہی کی طرح مقلدین بھی بے مثال
بے نظیر ابد آشنا اور قانون اسلامی کا جامع سمجھتے ہیں اور
احادیث سے ثابت شدہ حکم کو واجب الاتباع مانتے ہیں
بخاری شریف ان کے نزدیک بھی قرآن کے برابر ہے صحیح
کتاب ہے اور حکم رسول کے مقابلے میں کسی اور کے قول اور
فیصلے کو ترجیح دینا ان کے نزدیک بھی گناہ عظیم ہے۔ بلکہ
ہم جیسے مقلدین تو اسے کفر و زندقہ تصور کرتے ہیں اور ہمارا
ایمان ہے کہ جو شخص حضور کے بالمقابل کسی اور کے فرمان کو
ترجیح دیتا ہے وہ حقیقتہً مسلمان ہی نہیں ہے۔
لیکن سوال اصلی یہ ہے کہ کونسا حکم واقعہً حضور
کا ہے اور کونسا حکم بعد کے لوگوں نے غلط فہمی یا کج فکری
یا ناجبھی سے حضور کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اہل حدیث
اور مقلدین کا اختلاف یہ بالکل نہیں ہے کہ حضور کے
ارشادات کو کیا درجہ دیا جائے۔ دونوں گروہ قطعی طور
متفق ہیں کہ حضور واجب الاتباع ہیں۔ امام ہدایت ہیں
شارع ہیں۔ قاضی اور امیر ہیں۔ اختلاف اگر ہے تو
اس بارے میں ہے کہ کونسا حکم واقعہً حضور کا ہے اور
کونسا نہیں ہے۔ یا کونسا حکم کسی خاص موقع کے لئے ہے
اور کونسا عام۔ یا کونسی حدیث کا صحیح مفہوم و منشا کیا ہے

کرتی ہیں کہ ہم امتحان میں کامیاب ہو جائیں۔ ان کو نبات لیتا
ہے وہ پھونک مار کر واپس دیتا ہے اور میر واعظ صاحب بولتا ہے
کہ امتحان کا میسر دیکھنے سے پہلے یہ نبات ڈیکس پر رکھنا چاہیے
یا کسی کی گائے کو دردزہ ہوتا ہے اس کو تعویذ لکھ کر دیتا ہے
کہ گائے کو پلاؤ۔ جلد آزد ہو جائے گی۔ یا لوگوں کو مقدمات
ہوتے ہیں۔

میں کتنا تحریر کروں سوال لبا چوڑا ہو جائے گا۔ پھر
جب ہم نے میر واعظ صاحب کو بولا کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ جبکہ
آپ اخبار میں بدعتوں اور غیر حرم عورت پر نظر ڈالنے کو گناہ
قرار دیتے ہیں اور ہر جمعہ کو خطبہ کی تشریح میں بھی رد کرتے ہیں۔
آخر ادھر سے عمل دوسری طرح ہے۔ میر واعظ صاحب نے جواب
میں بولا کہ رسول اللہ تعویذ لوسی اور پھونک مارتے تھے۔
براہ کرم مدلل اور مفصل جواب قرآن اور حدیث کی
روشنی میں دیا جائے۔

جواب :-

بعض سوالات اس قسم کے ہوتے ہیں کہ معنا تو ان کی
کوئی اہمیت نہیں ہوتی، لیکن لفظاً وہ خاصے دلچسپ ہوتے
ہیں۔ یہ سوال بھی اسی قبیل سے ہے۔ ہم نے اپنی عادت کے
مطابق اس کی جہارت متعدد مقامات سے درست کر دی ہے
لیکن بعض اصلاح طلب فقروں کو قصداً جوں کا توں چھوڑ دیا تاکہ
جو لطف انھیں پڑھ کر ہمیں آیا ہے وہی قارئین کو بھی آئے۔
لیکن یہ سوال بس دلچسپی ہی کے لئے شائع نہیں کیا گیا ہے
بلکہ اس کے جواب میں ہم چند باتیں ایسی کہنا چاہتے ہیں جو نہ صرف
سائل اور دیگر قارئین کے لئے نافع ہوں بلکہ محسن ہے وہ جناب
میر واعظ صاحب کے لئے بھی قدر و قیمت کی حامل ہوں۔ مولانا ابودوی
سے متعلق ہماری چون چاہنے کی توضیحات کے بعد میر صاحب کا اپنی
روش ترک کر دینا ناخراہی ہے کہ وہ نیک دل آدمی ہیں۔ اور
ضد ہی نہیں ہیں۔ ورنہ ضدی اور فتنہ پرور لوگوں کو تو دکھا ہے
کہ کسی فرد یا جماعت پر کئے گئے اعتراض کے جواب میں خواہ
کتنے ہی مضبوط دلائل پیش کر دیے جائیں وہ اپنے اعتراض سے باز
نہیں آتے اور ہر بھر کر ایک ہی الاپ دہرائے جاتے ہیں۔

اور کیا نہیں۔
اب فرض کیجئے۔ ایک حاکم کچھ لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ جاؤ فلاں شخص کی مزاج پر سی کر۔ اب ان لوگوں میں بعض تو گھر سے لاٹھی لے کر اس فلاں کے گھر کی طرف چلتے ہیں کیونکہ انھوں نے ”مزاج پر سی“ کے حکم کو محاورے پر جموں کیا ہے اور بعض لوگ ایک طبیب حاذق کو ساتھ لے کر اس فلاں کے گھر جاتے ہیں کیونکہ انھوں نے حاکم کے حکم کا منشا یہ سمجھا کہ فلاں شخص بیمار ہے اس کا علاج معالجہ بھی کیا جائے اور عبادت بھی۔

اب دونوں فرقوں میں بحث چل جاتی ہے اور ایک دوسرے کو ملزم قرار دینے لگتے ہیں۔ حکیم والا فریق شور مچاتا ہے کہ فریق ثانی کو حکم حاکم کا پاس نہیں ہے بلکہ اسکے مقابلے میں وہ محاورہ بنانے والے اہل زبان کی پیروی کر رہا ہے۔ ہم حاکم کے فرمانبردار اور عاشق ہیں حاکم نے جو کچھ کہاہے جوں کا توں اسی کو انیں گے اور محاورے کے چکر میں نہیں پڑیں گے۔

بتائیے کیا واقعہ بھی یہی ہے کہ لاٹھی والا فریق حاکم سے سرتابی کرنے جا رہا ہے؟ کیا دونوں فرقوں میں اختلاف حاکم کے مرتبہ و مقام کے بارے میں ہے؟ ہر انصاف پسند نسیم کرے گا کہ حاکم کو واجب الاتباع ماننے میں تو دونوں متفق ہیں اختلاف حکم حاکم کا منشا سمجھنے میں ہے۔ بس کچھ اسی نوع کا اختلاف اہل حدیث اور فقہاء کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اگر ہم لوگ دور مبارک میں ہوتے تو حضور سے پوچھ ہی لیا کرتے کہ آپ کے فلاں ارشاد کا مطلب مقصد کیا ہے۔ مگر اب تو اس کا امکان نہیں۔ حضور کو وصال فرمائے چودہ سو برسوں کے قریب ہو گئے۔ ان کے ارشادات مبارک کے متعدد مجموعے امت کے پاس ہیں جن میں صحیح، غلط، کمزور، قوی، موضوع منکر سب طرح کی روایات ہیں اور ایسی بھی روایات ہیں جو ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔ ایسی بھی روایات ہیں جن کے مفہوم ایک سے زائد ہو سکتے ہیں۔ معاملہ اتنا سیدھا سا نہیں کہ منشا بخاری کا کوئی صفحہ

کھولا اور جو بھی حدیث نظر آگئی اسے حرف آخر قرار دیدیا۔ دیکھنا پڑے گا کہ جس موضوع پر یہ حدیث ہے اسی موضوع پر دوسری احادیث صحیحہ کیا کہتی ہیں اور پھر یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ حضور کی اطاعت کے سب سے بڑھ کر شائق صحابہ کرام نے ان حدیثوں کا کیا منشا سمجھا تھا اور کس طور سے ان پر عمل کیا تھا۔ نیز یہ بھی دیکھنا ہو گا کہ جن امور میں خود صحابہ کے درمیان اختلاف رہا ان میں کون صحابی علم و فہم میں کیا درجہ رکھتا تھا اور کیا دلائل دونوں فرقوں نے اپنے اپنے حق میں ظاہر فرمائے۔ وغیر ذلک۔

یہی سب چیزیں ہیں جن کی وجہ سے قرآن و حدیث کے منشا کو سمجھنے اور ان سے فقہی جزئیات نکالنے اور اجتہاد و قیاس کو کام میں لانے کے میدان میں اہل علم ایک دوسرے سے مختلف ہو گئے۔ جو لوگ طبعاً سہولت پسند اور جذباتی تھے وہ تو ایک ایسے طرز فکر پر مطمئن ہو گئے جو بعد میں اہل حدیث مکتب فکر کی بنیاد بنا اور جو لوگ فطرتاً جفاکیش اور متعقل پسند تھے انھوں نے اس اسلوب نظر کو اختیار کیا جس نے فقہاء و مجتہدین کی قوم کو جنم دیا۔

حدیثیں ہوں یا فقہاء۔ حضور سے محبت دونوں ہی کو ہے اور ہرگز ہرگز کوئی قابل ذکر فقیرہ کبھی یہ جرات نہیں کر سکتا کہ قول رسول کے بالمقابل اپنا قول پیش کرے۔ استغفر اللہ۔ ”بالمقابل“ کا لفظ اہل حدیث دوست بہت غلط انداز میں استعمال فراتے ہیں۔ تقابل تو ٹھکانا کا نام ہے۔ کیا مجال کہ فقہاء حدیث سے ٹکڑ لینے کا وہم بھی کر سکیں۔ فقہاء کو الزام دینے سے قبل تقابل اور اجتہاد کا فرق سمجھ لینا ضروری ہے۔ تقابل کہتے ہیں کسی چیز سے انحراف، جنگ، تصادم کو اور اجتہاد نام سے کسی ثابت شدہ حکم کلی سے ان جزئیات کو اخذ کرنے کا جن کی تشریح قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے۔ اجتہاد کسی بھی حکم سے متصادم نہیں ہوتا بلکہ متوافق ہوتا ہے اور وہی روح اس میں بھی موجود ہوتی ہے جو اصل حکم میں ہے۔ مجتہد کی ساری کوشش ہی یہی ہوتی ہے کہ جن فتروعات کو شارع نے بیان نہیں کیا ہے ان کا تعین ایسی شکل میں کیا جائے جو شارع

درود شریف وغیرہ

سوال ۱: از قاسم سجاد۔ اسلام آباد (کشمیر)

قیصے کا قاضی مولوی غلام محمد عام مسلمانوں کو ختم دستگیری پڑھنے کی تلقین کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ ختم پڑھنے اور درود حضور پڑھنے پر نارہنم حرام ہے۔ کیا یہ درست ہے؟ اس سوال کا جواب بھی از حد مطلوب ہے

جواب:

ختم دستگیری کس چیز کا نام ہے۔ یہ ہم نہیں جانتے۔ خیر و برکت صرف ان وظائف میں ہے جو احادیث سے منقول ہیں۔ ان کی معلومات کے لئے ”حصن حصین“ جیسی کتابیں موجود ہیں۔ رہا درود۔ تو اس میں کیا تنکے کہ اس کا پڑھنا نہایت خیر و برکت کا موجب ہے۔ لیکن یہ سمجھا حقاقت ہو گا کہ آدمی صرف درود پڑھ کر ساری ذمہ داریوں سے چھوٹ گیا۔ نارہنم حرام اس وقت ہوتی ہے جب آدمی گناہوں سے بچتا رہے اور نہ انھیں واجبات کی پابندی کرے۔ درود اور بعض اور وظائف بلاشبہ بڑے نافع ہیں لیکن جس طرح کسی بھی بہتر سے بہتر دوا کے کامل طور پر مؤثر ہونے کا مدار اس پر ہے کہ مریض بد پرہیزی نہ کرے اسی طرح ان وظائف کے کامل اثر اور نفع کا اختصار اس پر ہے کہ ہم تمام معاملات میں شریعت کے احکام اور خدا اور رسول کی ہدایا پر کار بند رہیں۔

شوافع کے پیچھے احناف کی نماز

سوال ۲: (ایضاً)

(۱) کیا ایک حنفی مسلمان شافعی امام کے پیچھے نماز ادا کر سکتا ہے؟
(۲) کیا ایک حنفی مسلمان رفع الیدین اور امین بالجہر کر سکتا ہے؟
کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اپنا اپنا مسلک اپنانا لازمی ہے۔

جواب:

چاروں امام جرحی ہیں۔ لہذا ہر امام کا پیرو دوسرے امام کے پیروں کا منقذ بن ہی سکتا ہے۔ البتہ جن باتوں میں اختلاف ہے ان میں اپنے امام کے مسلک پر عمل کرنا چاہئے۔ مثلاً شافعی امام

کے بیان کردہ کلیات و اصول اور دین و شریعت کی اسپرٹ اور حکمت و منفعت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کے متضادم اور متقابل۔

بسی ہی چیز ہے جو بعض اوقات غلط فہمیوں کا باعث بن جاتی ہے اور اہل حدیث حضرات یہ خیال فرماتے لگتے ہیں کہ فقہانے حکم رسول کو تو نظر انداز کر دیا اور اپنے اجتہاد کو مقدم رکھا۔

اب میرا وعظ صاحب کی تعویذ نویسی اور جھاڑ بھونکے مسئلے پر آئیے۔ تو ہم حیرت کے سوا کچھ ظاہر نہیں کر سکتے حیرت بھی برائے نام ہی کہیے ورنہ کشمیر حیدر آباد بریلی اور بدایون جی جگھوں میں دین کے نام پر جو کچھ بھی ہو جائے حیرت کی جا نہیں۔ کچھ پڑھ کر دم کر دینے کی روایات تو بے شک کتب حدیث میں مل جاتی ہیں لیکن تعویذ نویسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضور لکھنا اب جانتے تھے کہ تعویذ نویسی کرتے۔ ویسے تعویذ نویسی کو ہم مقلد حضرات حرام نہیں سمجھتے مگر میرا وعظ صاحب کو تو اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ حضور سے اس کا ثبوت نہیں۔

چلیے تعویذ نویسی بھی کر لیجئے۔ پیٹ کے لئے تو کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہی ہے۔ اور ماں لو میرا صاحب کی تعویذ نویسی لکھ کر فی اللہ ہو یعنی اجرت نہ لیتے ہوں تب بھی شیخت اور گدی بنائے رکھنے کے لئے ایسی چیزیں مفید ہیں۔ مگر بیٹھا معاملہ عورتوں کے چہرے تک اور نظر مارنے کا ہے۔ نظر مارنے کا کیا مطلب ہے۔ یہ نکتہ تو سائل ہی حل کر سکتے ہیں۔ محاورہ آنکھ مارنا ہے۔ نظر مارنے سے مراد شاید یہ ہو کہ برقعہ پوش عورتوں کے چہرے سے نقاب ہٹوا کر جب بھونک ماری جاتی ہے تو میرا صاحب کی نظر بھی ان کے چہروں پر پڑتی ہی ہوگی۔

اب یہ کام خود میرا صاحب کے کرنے کا ہے کہ وہ بخاری یا مسلم وغیرہ میں سے کوئی روایت چھانٹ کر نکالیں جس سے یہ ثبوت بھی نہیں ہو جائے کہ نا محرم عورتوں کے چہروں پر دم کرنے کا طریقہ کبھی حضور نے بھی اختیار کیا تھا۔ ہمارا ناھن مطالعہ تو

ایسی کسی روایت سے آشنا نہیں۔

مکرم و سجود کے وقت کانوں تک ہاتھ اٹھانا ہے تو حقیقی تفسیری ہاتھ نہ اٹھائے۔ شوافع نماز میں زور سے آئین بڑھتے ہیں چنانچہ آہستہ سے پڑھیں۔ یہی طریقہ احسن ہے۔ لیکن اگر کوئی حقیقی بھی شافعی امام یا شافعی متذہبوں کی دیکھا دکھی زور سے آئین پڑھ دیتا ہے یا رفع یدین کر لیتا ہے تو اس سے نماز میں فساد پیدا نہیں ہوتا۔

گوشہ گیری اور اسلام

جب میدان عمل میں قدم رکھتے تھے تو خلق خدا کی کشمیر تعداد ان کی بدولت حلقہ بگوش اسلام ہو جاتی تھی۔

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیر میں بلکہ کہا جاتا ہے کہ آج جو دنیا کے دور و دراز گوشوں میں دین حق کی قدر ملیں روشن ہیں۔ یہ انھیں ہندوؤں کی طفیل ہے۔ مثلاً ہند میں حضرت چشتی اور کشمیر میں امیر کبیر۔

ایک عام ذہن اس سلسلے میں سمجھتا ہے کہ گوشہ نشین ہو کر انسان دنیا کی تمام فریب کاریوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور پورے طور پر اپنے نفس کا تزکیہ کر کے خود کو اور اپنے دین کو خدا سے تعالیٰ کے لئے یکسو (اور خالص) کر کے کئی تحفہ دہ مجاہد بنتا ہے۔ جو قرن اول میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ تیار ہو جاتے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کچھ وقت کے لئے یہ گوشہ نشینی انسان کے لئے موقعہ فراہم کرتی ہے کہ ہر تن ذکر خدا کرے اور اپنے دل کو اس کی یاد کی آماجگاہ بنائے کیونکہ جب تک بندہ دنیا کی ہر چیز سے زیادہ خدا سے لم بزل کو عزیز نہ رکھتا ہو۔ وہ دین کی سر بلندی کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ جس کے کرنے کا مطالبہ قرآن مسلمانوں سے کرتا ہے۔

تیسرا عام فائدہ گوشہ نشینی کا یہ ہے کہ ایک ان پڑھ شخص جو بذات خود قرآن اور حدیث پر عبور نہیں رکھتا مگر چاہتا ہے کہ اپنی زندگی کو کلی طور پر کتاب اللہ و سنت نبوی کے مطابق گزارے۔ اس کے لئے گوشہ نشینی ابھی تک کا حکم رکھتی ہے۔ یعنی ایک گوشہ نشین کم و بیش ان تمام صفات سے متصف ہو جاتا ہے جو اسلامی زندگی کا مطلوب و مقصود ہیں۔

میرے ناقص خیال میں وہ رہبانیت جو زندگی سے گریز سکھاتی ہے اور جس کی جڑ یہ کہہ کر کاٹ دی کہ — لا رہبانیت فی الاسلام وہ یہ گوشہ نشینی نہیں بلکہ ان مسخ شدہ مذاہب کا طریقہ عبادت ہے جس میں تزکیہ نفس نہیں، بلکہ نفس کشی کی جاتی ہے۔ اُمرتِ مسلمہ کا کوئی بھی ولی

سوال :-

رسائل نے اپنا تہ لکھنے سے منع کر دیا (۱) اکثر و بیشتر اولیاء اللہ کے تذکروں میں چلے وہ کسی بھی سلسلے سے تعلق رکھتے ہوں، گوشہ نشینی کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ بعض خدا دوستوں کے بارے میں بھی جیسے اُمرتِ مسلمہ متفقہ طور اولیائے کبار تسلیم کرتی ہے۔ ہمیں یہ مستند اور مصدقہ طور پر معلوم ہے کہ وہ بھی تذکیہ نفس اور ریاضتِ حق کے لئے گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ اگر خدا سے تعالیٰ کو یہ گوشہ نشینی (دوسرے لفظوں میں رہبانیت) پسند نہیں تو اللہ کے یہ دوست اسے کیونکر پسند فرماتے تھے۔ اس کی تائید کیجئے تو دو باتیں سامنے آتی ہیں (۱) یا تو یہ بندگان خدا (یعنی اللہ) دین کے صحیح تقاضوں سے واقف نہ تھے اور یا (۲) دین حق ہی ہے اور دین حق کا مطالبہ ہی ہے؟

شق نمبر ایک کے متعلق عرض ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا بعد از قیاس ہے کہ خدا کا دوست خدا کی راہ سے واقف نہ ہو۔ یہی لوگ تو ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: — لَا حُوفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ پھر سورہ فاتحہ کی وہ آیت جس میں اہل ایمان سے کہا گیا ہے کہ خدا سے تعالیٰ سے مانگیں۔ اِهْدِنَا صِرَاطَكَ اَللّٰهُمَّ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔ اللہ تعالیٰ جنھیں اپنی سبھی راہ پر چلنے کی توفیق بخشا ہے وہ وہی لوگ تو ہوتے ہیں جنہیں خدا سے تعالیٰ دوست رکھتا ہو۔ اور جو خدا سے تعالیٰ کو دوست رکھتے ہوں۔

اس سلسلے میں اہم ترین چیز یہ ہے کہ یہی گوشہ نشین

برحق ہو گا۔ لہذا محض یہ بات کسی فعل یا عقدے کی صحت پر کافی دلیل نہیں قرار پاسکتی کہ اسے ان بعض لوگوں نے اختیار کیا ہے جنہیں ہم ولی اور قطب سمجھتے ہیں۔

یہ تو تھی اصولی بات۔ اب تفصیل میں آئیے۔

گوشہ نشینی بجائے خود ”رہبانیت“ کے ہم معنی نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہو گا کہ گوشہ نشینی کا مقصد کیا ہے۔ اگر مقصد صحیح اور عبادت و ریاضت کا طریقہ قرآن و سنت کی تعلیمات کے مطابق ہو تو اس گوشہ نشینی کو اس رہبانیت سے تعبیر نہیں کریں گے جسے اسلام نے مذموم قرار دیا ہے۔

ہمارے نزدیک مومن کا مقصد زندگی یہ ہونا چاہیے کہ اللہ کے دین کو دنیا میں غالب و نافذ کرنے کی مسلسل جدوجہد کرے۔ کچھ کافروں کو مسلمان بنا دینا نہایت بڑی نیکی ہے لیکن یہی سب کچھ نہیں بلکہ پورے معاشرے کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش اور پورے معاشرے پر اسلامی قوانین کو جاری کرنے کی سعی اس سے بھی بڑی نیکی ہے جو تمام نیکیوں پر حاوی اور تمام مقاصد اعلیٰ کا چوڑ ہے۔

اگر کوئی خدا پرست ایمان داری کے ساتھ یہ محسوس کرتا ہے کہ اعلیٰ کلمۃ الحق اور غلبۃ دین کی شدید جدوجہد کے لئے صبر و استقامت اور جرأت و عزیمت کے جو اوصاف درکار ہیں وہ اس میں نہیں پائے جلتے اور ان اوصاف کے حصول کی خاطر کچھ دنوں گوشہ گیر ہو کر عبادت و ریاضت ضروری ہے تو بلاشبہ اسے اپنے اس احساس کی پاسداری کرنی چاہیے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا احساس آخر پیدا ہو کیوں؟ قرآن و سنت نے تو کہیں یہ نہیں بتایا کہ اسلامی احکام و ہدایات کی مکمل پابندی کا وجود صبر و عزیمت کی مطلوبہ مقدار میں نہیں آسکتی جب تک کہ آدمی کچھ دنوں گوشہ گیر نہ ہو۔ حالانکہ اگر تزکیہ نفس اور اوصاف عالیہ کے حصول کے لئے گوشہ گیری اتنی ہی ضروری ہوتی جتنی آپ کے سوال سے ظاہر ہے تو لازماً قرآن و سنت میں اس کی واضح تلقین ملتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ واضح تو کیا نیم واضح بھی نہیں ملتی اور پھر دیکھتے ہیں کہ صحابہ کرام نے بھی گوشہ گیری اختیار نہیں کی اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ وہ بو بکر و عمر جو بھی بھی گوشہ گیر نہیں ہوئے

تمام عمر جلہ کش نہیں رہا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اپنی ابتدائی زندگی کچھ وقت کے لئے صرف تزکیہ نفس کی خاطر تو وہ گوشہ نشین رہے۔ مگر جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو میدان کارزار میں دعوت دین کے لئے سرکھٹ اتر پڑے۔ چھوڑتے اس بات کو کہ آج کل کے جاہل صوفیاء کیسا کہتے ہیں اور عام لوگوں میں روحانیت کا کیا تصور ہے۔ بات آن بزرگوں کی ہے جن کا دین غالب کرنے میں کافی بلند درجہ ہے اور جن کی زندگی کے زندہ نقوش عوامی روایات میں گم ہو کر رہ گئے ہیں۔

جواب :-

آئیے استدلال میں حاجی یہ ہے کہ آئیے شخصیات کو اصل مان لیا اور قرآن و سنت کو فرغ اور تابع۔ حالانکہ اصل قرآن و سنت ہیں اور شخصیات تابع۔ یوں سمجھتے کہ ایک چیز تو کسوتی ہوتی ہے اور دوسری چیز وہ دھات جسے کسوتی پر گھس کر دیکھا جاتا ہے۔ کسوتی قرآن و سنت ہیں۔ چنانچہ قرآن میں صریح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ جس مسئلے میں تم متفق نہ ہو سکو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو۔ رہیں شخصیات، تو ان کی حدیث دھاتوں کی ہے۔ بڑے بڑے اولیاء و اقیام کو آپ سونا کہہ لیجئے۔ ان کے اعمال و اشغال کو قرآن و سنت کی کسوتی پر گھرایا کر ہی ان کے ولی ہونے کی تصدیق کی جاتی ہے۔ لہذا ان اولیاء کے جن بعض افعال کے بارے میں یہ بحث پیدا ہو جائے کہ وہ دین حق کی کسوتی پر کیس حد تک کھرے ہیں ان کے بارے میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کی ایک ہی صورت ہے کہ قرآن و سنت کے نصوص پر نظر ڈالی جائے۔ اگر یہ نصوص ان افعال کی تائید کرتی ہیں تو ان کا استحسان مان لیا جائے اور اگر تردید کرتی ہیں تو سمجھ لیا جائے کہ خدا پرست ہونے کے باوجود ان سے ان افعال کے معاملہ میں فکری غلطی ہو گئی ہے۔

یہ تو آپ بھی جانتے ہی ہیں کہ انبیاء کے سوا کوئی معصوم نہیں۔ کوئی شخص کتنا ہی متقی اور زاہد و عابد ہو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا ہر فعل و عمل اور خیال و عقیدہ نماز نما

اصحاب صفہ کے مقابلے میں کہیں بلند مراتب پر فائز ہوئے۔ حالانکہ اصحاب صفہ گوشہ گیری کی ہی کیفیت میں عبادت و ریاضت پر عامل رہے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ولایت و روحانیت کے مقامات بلند تک پہنچنے کے لئے گوشہ گیری کوئی لازمی شے نہیں بلکہ خاص خاص لوگوں کے لئے خاص ہی حالات میں یہ مفید ہو سکتی ہے اور عین ممکن ہے کہ ایک شخص گوشہ گیری کے بغیر ہی ولایت و قطیبت کے وہ مراتب علیا حاصل کرے جو دوسرے شخص کو غفلت کے طویل مجاہدوں سے بھی حاصل نہ ہوں۔

تفسیر میں بڑی خرابی یہ پیدا ہو گئی ہے کہ جو اعمال و اشغال اللہ کے نیک بندوں نے بطور وسائل و ذرائع تلقین کئے تھے انہیں بعد کے لوگوں نے مقاصد کا درجہ دے دیا اور وہ اصل مقصد غائب ہو گیا جس کی تفصیل ان وسائل و ذرائع سے مطلوب تھی۔ گوشہ گیری اور چلہ کشی بھی اسی آفت کا شکار ہے۔ آج کا ایک چلہ کش یہ بھول ہی جاتا ہے کہ چلہ کشی بجائے خود کوئی مقصد نہیں بلکہ صبر و استقامت کے اوصاف محمودہ کو جلا اور فروغ دینے کا ایک وسیلہ ہے تاکہ جنگاہ زندگی میں غلبتہ دین کی شدید جدوجہد کرتے ہوئے جو دشواریاں اور آفات و مصائب پیش آئیں ان سے مقابلہ کرنے کی اہلیت پیدا ہو سکے۔ غلبتہ دین کی جدوجہد کا تو اب تحمل ہی نایاب ہے۔ بس کچھ کہہ آئیں کچھ خیالی فتوحات، کچھ کشف، کچھ سیر و حالی ہی حاصل وصول ہو کر رہ گیا ہے یہ خوشی کی بات ہے کہ آنجناب کے ذہن میں غلبتہ دین کی جدوجہد کا تصور موجود ہے ورنہ صوفیوں کے قبیلے میں تو اب غلبتہ دین

اعلائے کلمۃ الحق اور دعوت و عزیمت کا وہم بھی شاید ہی کہیں موجود ہو۔ خود آنجناب کے خیالات میں جو ذرا سا جھول نظر آتا ہے اس کی بھی نشاندہی ہم کریں۔ دین کو خدائے تعالیٰ کے لئے یکسو اور خالص کرنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی بیٹھ کر اللہ کا تصور بانڈھا جائے۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ زندگی کے تمام شعبوں میں، لیل و نہار کی تمام سرگرمیوں میں، معاشرتی تعلقا کے جملہ مراحل میں، کاروبار میں، ملازمت میں، رہن سہن میں، جنگ اور صلح میں، سیاست اور ثقافت میں۔ ہر دائرہ

کار میں اس کا لحاظ رکھا جائے کہ حلال کیا ہے اور حرام کیا حسن اخلاق کیا ہے اور سوسائری اخلاق کیا۔ جن مسلمان نے پوری احتیاط اور عزم کے ساتھ اس کا لحاظ رکھا وہی ہے مومن حنیف اور سچا مسلم۔ وہی ہے جس کے بارے میں کہہ سکتے ہیں کہ اسے نزدیک نفس کی دولت حاصل ہو گئی اور وہی ہے جو فی الحقیقت ولی ہے۔ ولایت وضع قطع اور شکل و ہیئت میں منحصر نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک ایسا شخص جو بظاہر زاہد و عابد ہے صوفیوں جیسی وضع قطع رکھتا ہے۔ کشف و کرامت میں بھی شہرت رکھتا ہے حقیقتہً ولی نہ ہو اور ایک ایسا شخص جو بظاہر دنیا دار ہو اونچے درجے کا ولی ہو۔ ائمہ و مجتہدین کو دیکھئے۔ فقہاء و محدثین پر نظر ڈالئے۔ یہ لوگ ایک بھی دن کے لئے گوشہ گیری نہ ہوئے۔ لیکن کیا ابو حنیفہؒ، شافعیؒ، مالکؒ، ابن جنبلؒ، بخاریؒ، ابن مبارکؒ، ابن تیمیہؒ جیسے لوگوں کی ولایت و قطیبت میں کوئی شک ہے۔

ہمسہ تن ذکر خدا بن جانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ تمام معاملات دنیاوی میں حدود و شریعت کو ملحوظ رکھے اور قرآن و سنت کی پیروی پر مذہب میں مرکوز رہے۔ یہ نہیں کہہ کرے نہیں بیٹھ کر اللہ کی خدمت میں لگایا کرے۔ ضرر میں لگانا بھی کار خیر ہے بشرطیکہ اس کا مقصد قلب و ذہن کو اٹھانے پر ثابت قدم رکھنا ہو۔

یہ بات آپ نے عجیب کہی کہ ایک آن پڑھ آدمی کے لئے گوشہ نشینی آپ حیات کا حکم رکھتی ہے۔ بھلا جب احکام و شریعت کا علم ہی نہیں ہے تو گوشہ گیری سے کیا ہوگا۔ بے علم آدمی کو چاہئے کہ سب سے پہلے حصول علم کی جدوجہد کرے۔ علم سے مراد علم شریعت ہے۔

پتے علم چون استمع باید گراخت
کہ بے علم نتوانی خدا را شناخت
بے علم صوفیاء نے تو دین و ملت کی مٹی پلید کر کے رکھ دی۔ تصوف کی لائن پر چلنے کے لئے تو اور بھی زیادہ ضروری ہے کہ آدمی علم شریعت پر عبور حاصل کرے۔

میں عربی سے بالکل ناواقف ہوں۔ تھوڑی بہت اُردو آتی ہے۔

جواب :-

معلوم ہوتا ہے آپ تختی کے نئے قاری ہیں۔ اس موضوع پر تو تختی میں بے شمار مرتبہ تفصیلاً لکھا جا چکا ہے اگر کہیں فائل مل سکے تو دیکھئے۔ نئے تو کم سے کم ”بدعت کیا ہے“ نامی کتاب مطالعہ فرمایا لیجئے۔

جماعت اسلامی یا تختی کو گمراہ اور بد عقیدہ اور وہابی کہنے والوں کی کئی یو پی اور سی پی میں بھی نہیں پھر حیدرآباد میں کیوں ہو۔ گمراہی کی بات یہ ہے کہ تختی کا مدبر صرف اُن تین زمانوں کے علماء و فقہاء کو مرشد و رہنما مانتا ہے جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ”خیر القرون“ کے الفاظ فرمائے ہیں۔ اگر ان تین زمانوں میں کہیں اجتماعی درود خوانی کی محفلیں سنی ہوں یا کسی مستند فقیہ نے ایسی مجلسوں کی ترغیب دی ہو تو ہمیں بتائیے ہم شکر گزار ہوں گے۔ رہے بعد کے علماء۔ تو بیشک یہ سب علماء اگر کسی اجتہاد پر متفق ہو گئے ہوں تو اسے بھی ہم دل و جان سے قبول کر لیں گے، کیونکہ یہ اتفاق بجائے خود ایک دلیل ہے۔

لیکن اجتماعی درود خوانی اور مزوجہ فاتحہ بازی وغیرہ کے استحسان پر تو علماء کا اتفاق کیا معنی۔ اکثریت علماء کی اسے بدعت کہتی ہے اور جس خاندان ولی اللہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے بتکدہ ہند میں علوم دینیہ کے بقا و تحفظ کا انتظام فرمایا اسی کے ممتاز افراد اس نوع کے اعمال و اشغال کو بدعت قرار دیتے آئے ہیں اور ان کے خلاف بعض نے عملی جہاد بھی کیا ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی رائے معلوم کرنی ہو تو ان کی کتاب بلاغ المبین پڑھ لی جائے۔

ہماری ایک غلط فہمی

سوال :- از۔ عبدالرحمان۔

خاص نمبر دامت فروری و مارچ ۱۹۷۷ء میں روایت ہلال کے ایک مسئلے پر آپ نے اظہار خیال فرمایا ہے اس کی آخری سطروں کے

علم شریعت ہی اسے بتائے گا کہ تزکیہ نفس کی خاطر مکتب تصوف کے جو اعمال و اشغال وہ اختیار کرنے چلا ہے ان میں کہیں ایسے عناصر تو شامل نہیں جو قرآن و سنت کی تصویص، یا ان کے انضمام یا روج کے خلاف ہوں۔ تصوف کا بگاڑ زیادہ تر اسی لئے ہوا ہے کہ جہاں اس میں داخل ہو گئے اور تزکیہ نفس کی لطیف و مقدس حقیقت خود ساختہ اصطلاحات کے میدان کی گیند بن کر رہ گئی۔

یہ بھی غلط ہے کہ رہبانیت فقط مسخ شدہ نماز میں محدود ہے۔ زہرا ب ایک گمان بھی ہو سکتا ہے جبکہ گوشہ گیری اس بے لبط و مقصد اختیار کی ہو۔ اصل چیز وہ ذہن ہے جو گوشہ گیری کے عقب میں کار فرما ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت کی روشنی اور حقیقی تعلیمات پر چلنے کی توفیق اور بصیرت عطا فرمائے۔

تختی گمراہ کن ہے

سوال :- از محمد عبداللطیف۔ ضلع ناندیڑ (دہرا اسٹر) بدعت کی تقسیم میں علماء جمہور کا کیا مسلک ہے۔ کیا یہ قسمیں ائمہ اربعہ کے زمانے میں بھی تھیں؟ اگر نہیں تھیں تو اسکی

ابتداء کہاں سے ہوئی؟
سوال متذکرہ بالا اس لئے کیا گیا ہے کہ ماہ جنوری ۱۹۷۷ء کے تختی میں ایک سوال کے جواب میں اجتماعی درود خوانی کو اپنے بدعت فرمایا ہے۔ یہاں پر رمضان کی ۲۹ ویں شب میں دوران تقریر فقہامی جامع مسجد کے خطیب تاضی سید حامد علی صاحب نویر جو جامع نظامیہ حیدرآباد کے تعلیماتہ ہیں فرمایا کہ تختی اور جماعت اسلامی مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ اجتماعی درود خوانی کو علماء نے بدعت حسنہ کہا ہے۔ ایسی صورت میں مسجدوں میں درود خوانی باعث برکت ہے۔ ایسی متبرک محفل کو بدعت کہہ کر اس کی مخالفت کرنا سخت گمراہی ہے۔ بہر حال دل کھول کر تختی اور جماعت اسلامی کی تزییل کی گئی ہے اور مسلمانوں کو بدایت کی گئی ہے کہ تختی اور جماعت کی کتاب میں قطعاً نہ پڑھی جائے۔

مگر بحالت موجودہ فتویٰ ہی ہے کہ مولوی صاحب کی پڑھائی ہوئی نماز ہو گئی۔ حتیٰ کہ اگر یہ نماز جمعہ ہوتی جب بھی یہی فتویٰ رہتا۔ وجہ یہ ہے کہ منتقل کے پیچھے مفسرین کی نماز کا نہ ہونا محض ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور بعض ائمہ اس کے عکس مسلک بھی رکھتے ہیں۔ جب ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ چاروں ائمہ برحق ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک ایسے مسئلے میں ہم اپنے امام کے سوا کسی اور امام کی رائے سے فائدہ نہ اٹھائیں جو عام اور اجتماعی نوع کی تشویش و اضطراب کا باعث ہو سکتا ہے۔ نماز عید یا نماز جمعہ تنہا تنہا تو پڑھی نہیں جاسکتی نہ اس کی قضا ہے لہذا اب یہ فتویٰ دیدینا کہ وہ مولوی صاحب کی پڑھائی ہوئی نماز عید ہوئی ہی نہیں تھی ایک مستقل فتنہ ہے اور اھتدٰی اشدا من القتل کے تحت ہمارا فرض ہے کہ مسئلے میں ذرا بھی گنجائش یا میں تو فتنے کی انگشت کو روک دیں۔ گنجائش بالکل ظاہر ہے کسی نص سے تو ثابت ہے ہی نہیں کہ مفسرین کی نماز منتقل کے پیچھے نہیں ہوگی اور بعض مجتہدین کا مسلک بھی سہارہ لینے کے لئے موجود ہے۔

جہاں یہ کہ مولوی صاحب کو اگرچہ امامت زریبانہ تھی مگر کہ گزرے تو نماز عید ہو گئی۔

حالتِ حمل میں نکاح

سوال پچھ۔ نام ندارد۔ ناظم اشاعت اسلامی میلہ بھٹل۔ پوچھ پڑھ (سائل نے اپنے یہاں کا ایک واقعہ تفصیل سے لکھا ہے جس میں سے حصہ سوال مختصراً درج ذیل ہے)

ایک مرد نے ایک لڑکی سے زنا کیا جس سے وہ حاملہ ہوئی۔ لوگ ان دونوں کا نکاح کرانا چاہتے تھے لیکن بعض حضرات نے کہا کہ حالتِ حمل میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس اعتراض کے باعث نکاح فی الحال ملتوی ہو گیا ہے۔ آگاہ فرمائیں کہ یہ اعتراض درست ہے یا غلط؟

جواب :-

حالتِ حمل میں نکاح بلاشبہ ہو جائے، یہاں تک کہ اگر حمل کسی اور کا ہو اور نکاح کوئی اور کرے تب بھی نکاح

متعلق مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ دراصل یہاں سے جو سوال کی جو عبارت روانہ کی گئی تھی وہ یوں تھی کہ ”ہلال عید دیکھنے والے اصحاب کی تائید میں جب ریڈیو سے خبریں موصول ہوئیں اور شہر میں بالاتفاق عید منائی گئی تو مولوی صاحب موصوف نے نماز عید میں شرکت کی اور دوسرے روز دوسرے قصبے میں جا کر نماز عید کی امامت بھی کی۔ یہ شرکت اور یہ امامت از روئے شرع شریف کہاں تک درست ہے؟ خط کشیدہ فکروں پر نظر غائر ڈال کر آپ اپنے جواب پر نظر ثانی فرمائیں۔ سوال واضح ہو جائے گا کہ مولوی صاحب کی امامت ایک منتقل کی امامت تھی۔ اس کا جواب مطلوب تھا۔

جواب :-

آپ بجا فرماتے ہیں سوال کی جو عبارت آپ نے سوال میں پھر سے نقل کی وہ تو خاص نمبر کے سوال میں بھی چھپی ہوئی موجود ہی ہے۔ لیکن ہمیں اس کا مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی۔ ہم مفہوم یہ سمجھے کہ مولوی صاحب مذکور نے نماز عید تو ایک ہی بار پڑھی لیکن بجائے مقتدی بننے کے امام بنے اور اسی امتیاز کی خاطر آپ نے اپنے فقرے میں لفظ ”بھی“ درج کیا۔

اب آنجناب کی توجہ ہانی سے اس غلط فہمی کا ازالہ ہو گیا ہے اور بات سمجھ میں آگئی ہے کہ انھوں نے دو بار نماز پڑھی۔ ایک بار اپنے شہر میں اور دوسری بار دوسرے قصبے میں۔

ایسی حالت میں آپ کا یہ سوال اٹھانا بجا ہے کہ دوسرے قصبے میں پڑھائی ہوئی ان کی نماز ٹھیک ہوئی یا نہیں ہوئی۔ بے شک حنفی مسلک یہی ہے کہ جو شخص ایک بار اپنی نماز فرض پانا نماز واجب ادا کر چکا ہے وہ اگر پھر سے اسے پڑھے گا تو یہ نماز فصل ہوگی اور فصل چونکہ معنوی قوت اور مرتبے میں فرض واجب سے کم درجے میں ہے لہذا اس شخص کو اس نماز کی امامت نہیں کرنی چاہیے۔ اگر نماز پڑھانے سے قبل یہ مسئلہ درپیش ہوتا تو ان مولوی صاحب کو امامت سے روکا جاتا۔ یا اگر بجائے نماز عید کے کسی عام نماز کا معاملہ ہوتا تب بھی یہ فتویٰ دیا جاسکتا تھا کہ یہ نماز نہیں ہوئی اور جن لوگوں نے اس میں شرکت کی ہے وہ تنہا تنہا اپنی نماز دہرائیں۔

سارا وقت لگا دینا چاہیے۔ اظہارِ مسرت اور صلح کے بات اور بٹالے کے لئے دعا کا مطلب یہ ہو کہ آپ اس معاہدے کو ہندوستان و پاکستان کے حق میں مفید سمجھتے ہیں مگر دونوں ملکوں میں بعض سیاسی پارٹیاں اور افراد سے اپنے اپنے ملک کے لئے خیر مفید بلکہ ملک کی شکست سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں تو تشدد آمیز مظاہرے بھی ہوئے۔ گولیاں چلیں اور جانیں تلف ہوئیں۔ وہاں مخالفت کرنے والی جماعتوں میں عجمت اسلامی بھی ہے اور اس معاہدے کے خلاف مشترکہ بیان پر مولانا مودودی صاحب کے بھی دستخط ہیں جیسا کہ بعض اخبار سے پتہ چلا۔ مطلب یہ ہو کہ مولانا مودودی صاحب چاہتے تھے کہ دونوں ملکوں کے درمیان صلح و آشتی کی فضا پیدا نہ ہو اور جو جہیں ایک دوسرے کے خلاف تخی کھڑی رہیں۔ نتیجہ اس کے سو اکیسا ہو تا کہ سرد جنگ زوروں پر چلتی رہتی جو کسی وقت بھی گرم جنگ میں تبدیل ہو جاتی۔ گرم جنگ نہ بھی ہوتی تو سرد جنگ ہی کے اثرات بد سے دونوں ملکوں کو جو نقصان پہنچتا اس سے مولانا صاحب ناواقف نہ ہوں گے پھر مولانا مودودی صاحب چاہتے تھے کہ فیصلہ کن جنگ ہو جاتی کہ دو میں سے کوئی ایک دوسرے کو فتح کر لیتا اور مفتوحہ ملک کو اپنے میں ضم کر لیتا حالانکہ آج کی دنیا میں ایسا کرنا ممکن نہیں جنگ طویل بگڑتی تو ہندوستان اور پاکستان پر رحم نہ ہو جاتی ساری دنیا لپیٹ میں آجاتی اور شاید دونوں ملکوں پر چین یا روس قابض ہو جاتا پھر بھی مولانا صاحب نے اس معاہدے کی مخالفت کی۔ یہ امید تھی کہ آپ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے اس رویے پر اس پرچے میں اظہار خیال فرمائیں گے مگر اس معاہدے پر نقد و نظر سے سہٹ کر انسانیت کی قدر و قیمت پر آپ نے گفتگو فرمائی۔ کیا ایسا مقصد ہو کہ جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے خلاف تنقیدی گفتگو آپ کو گوارا نہ تھی۔ امید کرتے ہیں کہ آئندہ پرچے میں اظہار خیال فرمائیے گا۔

جواب :-

آنجناب نے جلد بازی کی۔ ایک بار پھر متذکرہ تجلی

ہو جائے گا۔ بس احتیاط یہ ضروری ہے کہ یہ شخص مدتِ حمل میں صحبت نہ کرے، لیکن اگر یہ وہی شخص ہے جس کا یہ حمل ہے تو صحبت میں بھی حرمت نہیں۔ دراصل شریعت یہ چاہتی ہے کہ عورت کے رحم میں بیک وقت دو لطفے جمع نہ ہوں تاکہ بچہ نہ والی اولاد کا نسب شک میں نہ پڑے۔ اب اگر نکاح پر وہی شخص آمادہ ہے جس کے زنا سے حمل قرار پایا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی مباشرت سے نسب میں اختلاط اشتباہ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لہذا تمام ائمہ و فقہاء کے نزدیک حالتِ حمل ہی میں اس کا نکاح اور مباشرت دونوں جائز ہیں گے۔ ہاں اگر یہ شخص کوئی اور ہے تو چونکہ نکاح کے فوراً بعد ہم بستری کا قوی امکان ہے اس لئے فقہاء اسے ہدایت دیتے ہیں کہ حمل کا معاملہ اختتام تک پہنچ جانے دو تب نکاح کرنا۔ یہ بس ہدایت ہے جس کا مبنی احتیاط ہے اگر اس ہدایت کو نظر انداز کرے کوئی شخص ایسی عورت سے نکاح کرے گا جس کے بطن میں کسی اور شخص کا حمل موجود ہے تو نکاح یقیناً ہو جائے گا اور اگر اس نے وضعِ حمل سے پہلے ہی صحبت بھی کر لی تو اگرچہ ترکیب گناہ ہو گا لیکن نکاح پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔

جو حالات آپ نے لکھے ان میں تو فوراً نکاح ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ زانی مرد نے بمشکل اعتراف گناہ کیا ہے اور کہنے سننے ہی سے نکاح پر آمادہ ہوا ہے۔ اگر فوراً نکاح ہو جاتا تو ہو جاتا۔ ٹل جانے سے اندیشہ ہے کہ آئندہ یہ شخص مستقل گریز کرتا رہے گا اور اس حاملہ لڑکی کی زندگی خراب ہوگی جسے اس نے ہوس کا نشانہ بنا لیا ہے۔

مولانا مودودی اور اعلانِ تاشقند

سوال :- از۔ افتخار احمد۔ کلکتہ۔

مشترکہ پرچہ تجلی بابت فروری و مارچ ۱۹۶۶ء کے آغاز سخن میں آپ نے اعلانِ تاشقند پر اظہارِ سکون و مسرت کیا ہے اور ”پاکستانی بھائیوں کو سلام“ کرتے ہوئے یہ جملہ تحریر فرمایا ہے کہ ”ہمیں اس صلح کے ثبات و بقا کی دعاؤں پر

اٹھا کر پڑھیے۔ شذرہ اول کے بعد جو شذرہ ”پاکستانی بھائیوں کو سلام“ کے عنوان سے شروع ہوتا ہے اس کا پہلا ہی جملہ یہ ہے کہ — ”آج ہمیں بعد ڈاک میں پاکستان کے چند خطوط نظر آئے۔“

کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ جس شذرہ اول کے تعلق سے آپ تعرض اور بدگمانی فرما رہے ہیں وہ تو اس وقت لکھا جا چکا تھا جب پاکستان سے خطوط تک کی آمد شروع نہیں ہوئی تھی چہ جائیکہ رسائل اور اخبارات۔ جب وہاں کی ڈاک ہی پہاں نہیں آ رہی تھی تو ہمیں کیا معلوم ہو سکتا تھا کہ مولانا مودودی کیا کہہ اور کیا کر رہے ہیں۔ ریڈیو کے ذریعہ عملاً ضرور معلوم ہوا تھا کہ وہاں بعض افسر اور گروہ معاہدہ تاشقند کے حق میں نہیں ہیں مگر کوئی ایسی تفصیل نہ معلوم ہو سکی جس کی روشنی میں نقد و نظر کی نوبت آتی۔ اگر وہاں کے ریڈیو پر کوئی ایسی تفصیل آتی بھی ہوتی تو ہر حال ہمارے گوشگزار نہیں ہوتی۔ پھر آخر ہم کیسے مولانا مودودی کے موقف سے باخبر ہوتے اور اس پر اظہار خیال کرتے۔ سرسری طور پر سنا ضرور تھا کہ مولانا مودودی بھی معاہدے کے مخالفین میں شامل ہیں۔ لیکن سرسری شنید کا اطمینان ہی کیا۔ اور اطمینان کے علاوہ کسی بھی شخص کے موقف اور رائے پر بحث کیا کی جاسکتی ہے جب تک اس کا دعویٰ اور دلیل دونوں سامنے نہ ہوں۔

معلوم ہوا کہ آنجناب کی خوردہ گیری کے لئے کوئی بنیاد موجود نہیں۔ رہا یہ کہ مولانا مودودی کے خلاف کچھ کہنا ہمیں گوارا نہیں تو اس کا ثانی جواب آپ کو مل سکتا ہے اگر نومبر ۱۹۶۶ء کا تجلی اٹھا کر دیکھیں۔ اس میں ہم نے ایک مسئلے پر کھل کر مولانا سے اختلاف کیا ہے اور آج بھی ہم ہلا تکلف ان سے اختلاف کر سکتے ہیں اگر ہماری دیانت اور ضمیر اسکی ضرورت محسوس کریں۔

تاشقند پر یک گونہ طمانیت اور مسرت کا جو اظہار کیا ہے وہ اپنے خاص نقطہ نظر سے کیا ہے۔ معاملہ کسی عقیدے کا نہیں کہ زمان کا فرق اس پر اثر انداز ہی نہ ہو۔ ہمارا ملک جدا ماحول جدا سیاست اور مصالح جدا ہیں۔ ہم انھیں کے مطابق دیکھیں اور سوچیں گے۔ مولانا مودودی اپنے ماحول اور مصالح کے تابع ہیں ہم معاہدہ تاشقند کے سلسلے میں ان کے موقف کو آمدہ رسائل کے مندرجات سے جس حد تک سمجھے ہیں اس حد تک تو ہمیں کوئی الجھن یا اختلافی بات نظر نہیں آتی۔ وہ جس حکومت کے تحت جس فضا میں زندگی گزار رہے ہیں اس کے اعتبار سے انھیں قدر تا وہی سوچنا چاہیے جو وہ سوچ رہے ہیں اور کوئی شبہ نہیں کہ اگر پاکستان کا تمام شور شر اور جنگ جوتی اور ہمہہ کشمیر کی خاطر تھا تو صدر ایوب نے اعلان تاشقند پر دستخط کر کے ہمارے آنجنابانی وزیر اعظم سے شکست فاش کھائی ہے۔ کہاں وہ چیخ پکار کہ کشمیر میں رائے شماری کر ایسے گے اور کہاں یہ مرجع اعلان تاشقند جیسے اچانک بھڑے ہوئے غبارے کی پھونک نکل جائے۔

ایسی صورت میں اگر مولانا مودودی یا کوئی بھی پاکستانی دانشور یہ خیال کر لیتا ہے کہ اعلان تاشقند پر دستخط کر کے صدر ایوب نے اپنی پوری قوم کو بیوقوف بنا یا ہے اور جان و مال کی ان تمام قربانیوں پر پانی پھیر دیا ہے جو گذشتہ چند ماہ میں پاکستانی قوم نے ”کشمیر“ کے نام پر حکومت پاکستان کی قیادت میں دی تھیں۔ تو اس میں حیرت یا اعتراض کی کیا بات ہے۔

رہا آپ کا اپنا اظہار خیال۔ تو وہ سطحی بھی ہے اور غیر عادلانہ بھی۔

مولانا مودودی یا کوئی بھی دانشور بجائے خود امن و صلح کا دشمن اور جنگ و بد امنی کا حامی نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ ریسارک نازیبا ہے کہ مولانا مودودی دونوں ملکوں کے درمیان صلح و دوستی نہیں چاہتے اور جنگ و جدل ہی پسند کرتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے غیر مسلم حضرات پر وہ بیگنہ کرتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا اور محمدؐ اور ان کے ساتھی لڑنے مرنے ہی کو پسند کرتے تھے ظاہر ہے کہ اگر وہ جوہ و اسباب کو نظر انداز کر دیا جائے تو دنیا کے سب سے بڑے انسان اور رحمت و رافت کے بے مثال

بعد میں پاکستان کے بعض رسائل سے مولانا مودودی کا موقف اور خیالات کا کچھ پتہ چل گیا ہے تو ہمیں کوئی خاص ضرورت ان پر نقد و نظر کی معلوم نہیں ہوتی۔ ہم نے اعلان

خود آجنگاب اگر پاکستان کے کوئی دانشور ہوتے اور آپ کے دماغ کی ساری چولیں بھی اپنی جگہ گسی ہوئی ہوتیں تو کیا خود آپ ہی یہ نہ سوچتے کہ اتنا شہو تشعب اور لاف و گراف کرنے والوں کے ہاتھوں اعلان تاش قذیر دستخط کا کیا مطلب ہے! ۹۔ کس آفت نے گھبرا تھا کچھمب پر فوجیں جوڑھا کر لے گئے تھے اور کہاں گئے اس وعدے کی پاسداری کے دعوے جس کے سبز باغ قوم کو دکھائے گئے تھے۔

مولانا مودودی کی خواہش اگر یہ تھی کہ جنگ فیصلہ کن ہو تو یہ بھی کوئی بڑی خواہش نہیں۔ بلکہ معقول ترین بات یہی ہے کہ جب دو قوموں میں جنگ چھڑ جائے تو پھر اس کا خاتمہ یا تو مکمل صلح پر ہونا چاہئے یا کامل فتح و شکست پر۔ ایسا خاتمہ خوش آئند نہیں کہلا سکتا جس میں نہ تو جیت ہار کا فیصلہ ہوا ہو نہ وہ بنیادی اختلاف مٹا سکا ہو جو جوہر جنگ بنا تھا۔ اس طرح کا خاتمہ بجائے خود ایک جنگ ہے جو اصطلاحاً سرد کہلا سکتی ہے لیکن آخسکار وہ پھر گرم ہیں بدل جائے گی۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اعلان تاشقند تو ہو گیا۔ فوجیں بھی لوٹ آئیں، مگر ہندو پاک درمیان حقیقی صلح نہیں۔ تعلق کی اسپرٹ نہیں۔ بھائی چارہ اور ہمسائیگی کے روابط نہیں۔

آج کی دنیا میں کسی ملک کو فتح کر لینا ممکن نہیں۔ یہ دعویٰ بجائے خود ناپختہ ہے۔ پھر ہندو پاک کی جنگ کسی ملک کی فتح کے لئے نہیں تھی فقط ایک ایسے قطعہ زمین کیلئے تھی جو بجائے خود ملک نہیں بلکہ ایک ذیلی ریاست ہے۔ علاوہ اس کے پاکستان کا یہ دعویٰ تھا ہی نہیں اور اب بھی نہیں ہے کہ کشمیر ہمارے حوالے کرو۔ وہ تو یہ دعویٰ کرتا رہا ہے اور آج بھی کرتا ہے کہ اہل کشمیر کو آزادانہ رائے دہی کا حق ملنا چاہئے۔ ہم ایک ہندوستانی کی حیثیت سے اس دعوے کو اصولاً غلط کہہ سکتے ہیں مگر یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ آج کی دنیا میں کسی ریاست کے حوالے کو آزادانہ رائے دہی کا حق ملنا ممکن ہے۔ آج تو زمانہ ہی رائے شماری کا ہے۔ جہاں دیکھو اسی اصطلاح کا ڈنکا ہے۔ مولانا مودودی یا کوئی بھی پاکستانی رہنا اگر اپنی حکومت سے یہ شکوہ کرتا ہے تو کیا بیجا کرتا ہے کہ حضور کو جب اعلان تاشقند

بیکر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک کے بارے میں یہ زباندرازی کی جاسکتی ہے کہ انھیں امن پسند نہ تھا۔ جنگ ہی مرغوب تھی۔ حالانکہ ایسا کہنا محض جہالت ہوگا۔ پسند تو حضور کو بھی امن ہی تھا۔ لیکن حالات کے تقاضے انسان کو مجبور کر دیتے ہیں کہ امن پر جنگ کو اور صلح پر ٹکراؤ کو ترجیح دے۔ کیا جہاد کی فضیلت اور فضیلت پر بے شمار احادیث اور آیات وہی اسلام پیش نہیں کرتا جو دنیا کے لئے سراسر امن و عافیت کا پیغام اور سنگینی کا دشمن اور جنگ و جدل کا سخت مخالف ہے۔ ثابت ہو کہ امن و صلح کی محمودیت کے باوجود انسداد و اقوام کو ایسے حالات پیش آتے رہتے ہیں جب کہ جنگ و جہاد ہی ان کے لئے افضل اور ضروری ہو جاتا ہے۔

جنگ کے اثرات بد سے دونوں ملکوں کو جو نقصان پہنچتا اس سے تو بے شک مولانا مودودی واقف ہوں گے لیکن خود آجنگاب کیا اس اظہر من الشمس حقیقت سے واقف نہیں کہ کشمیر کے علاقے چھمب اور جوڑیاں وغیرہ میں فوجیں بیکر مولانا مودودی نہیں گئے تھے بلکہ وہی حکومت گئی تھی جس نے اعلان تاشقند پر دستخط کئے ہیں اور پھر یہ اعلان بھی زمانہ جنگ میں صدر ایوب اور جناب چھٹو ہی نے کیا تھا کہ امن کی بس ایک ہی صورت ہے۔ کشمیر میں رائے شماری!

اس کے بعد کیا ہوا یہ بھی آپ کو معلوم ہے۔ خوفناک ترین جنگ نے کشمیر کے نقشے لگا دیئے اور پاکستان کے وزیر اعظم پر رے طہرق کے ساتھ اعلان کیے تے رہے کہ کشمیر کے لئے ہم ہزار سال تک لڑیں گے۔ علاوہ اس کے ان مٹی کے شیروں نے اعلیٰ درجے کا شریف بنکر اپنی قوم کو اور پوری دنیا کو قطعاً اور حتمی انداز میں یقین دلایا کہ ہم نے کشمیریوں سے حق خود ارادی دلانے کا وعدہ کیا ہے اور اسے ہر قیمت پر پورا کر کے رہیں گے۔ ان کی قوم نے اسی ڈھول کی آواز پر پھیلیوں کے منہ کھول دیئے، اور اپنی رگوں سے تازہ تازہ لہو نچوڑ کر حکومت کے حوالے کر دیا کہ بے شک ہم اس وعدے کے ایفا کی جدوجہد میں آپ کے ساتھ

ہیں۔
ذرا اس صورت حال کو نظر میں رکھ کر آپ سوچتے کہ

اور رائے سے کہتے تھے۔ مولانا مودودی کا اصل اختلاف یہ ہے کہ پاکستان میں ایک ہی شخص تمام اختیارات کا مالک اور مختار بن کر رہ گیا ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ فلاں مسئلے میں قوم کی رائے رکھتی ہے۔ وہ اپنی مرضی پر چلتا ہے اور یہی وہ مطلق العنانی ہے جسے آج کی جمہوری دنیا میں پل بھر کے لئے بھی زندگی کا جو از حال نہیں۔ بتائیے کیا یہ اختلاف غلط ہے؟

پھر یہ بھی من لہجے کہ اعلان تاشقند کی مخالفت اکیلے مولانا مودودی ہی نہیں کر رہے ہیں بلکہ آمدہ رسائل سے معلوم ہو کہ سوائے حکومتی حلقوں اور جماعتوں کے پاکستان کے تمام عوام، تمام پارٹیاں اس کی مخالف ہیں۔ چنانچہ اسی مخالفت پر پہلی بار وہ ساری جماعتیں متحد ہو گئی ہیں جو کبھی کسی مسئلے پر متحد نہیں ہوتی تھیں۔ حد ہے کہ جن جماعتوں کا عام تشغیل جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کی شدید مخالفت تھا وہ بھی اعلان تاشقند کی مخالفت میں مولانا مودودی کے دوش بدوش ہیں۔ تب کیا ہم یہ کہیں کہ پاکستان میں سب احمق ہی بستے ہیں اور کالے کتے نے انہیں ایسا کاٹا ہے کہ بس جنگ ہی انہیں مرغوب ہو کر رہ گئی ہے۔ امن و صلح سے بیزار و متنفر ہیں۔

آدمی کو کان آنکھ بند کر کے اپنے ہی نقطہ نظر سے نہ لپیٹ رہنا چاہیے۔ ہم ہندوستانی ہیں ہند کشمیر کے بارے میں ہمارا نقطہ نظر علیحدہ ہے مگر مولانا مودودی تو پاکستانی ہیں ان کے کسی موقف اور انداز فکر پر رائے ظنی اور اعتراض کرنے سے پہلے ہمیں اپنے زاویہ فکر کو ایک طرف رکھ کر اس زاویہ فکر پر نظر ڈالنی چاہیے جو پاکستانی کی حیثیت میں مولانا مودودی کا ہو سکتا ہے۔ پاکستانی ہو کر وہ کسی ہندوستانی کی طرح نہیں سوچ سکتے اور سیاسی مسالک تو مبنی ہوتے ہی ہیں اپنے ملک اپنے ماحول اور اپنے حواج و مصالح پر۔ سیدھی اور سچی بات یہ ہے کہ ہندو ایکے بائیں بستی اور سرد جنگ کا خاتمہ بالآخر اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ یا تو پاکستان صدق دلی سے یہ مان لے کہ کشمیر بھارت کا

ہی پر دستخط کرنے تھے تو لاشکر لیکچر پر چڑھ دوڑ دینے کی کیا ضرورت تھی اور بار بار یہ اعلان فرمانے کی کیا حاجت تھی کہ ہم ہر قیمت پر کشمیر یوں کو حتی خود ارادی دلو کر رہیں گے اور کس مقصد سے ہزاروں جوانوں کے سر کاٹے گئے تھے، دولت برباد کی گئی تھی۔

ایک اور خاص بات آپ نظر انداز کر رہے ہیں جنگ کے زمانے میں دونوں ملکوں نے اپنے عوام کو جو کچھ باور کرنا یا وہ ایک دوسرے سے متضاد رہا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر شخص واقعت ہی کی روشنی میں رائے قائم کیا کرتا ہے۔ جب پاکستانی حکومت نے پہلے دن سے اپنی قوم کو یہی اطلاعیں عطا فرمائیں کہ بھارتی فوجوں کی مکر توڑی جا رہی ہے۔ ہر محاذ پر فتح میں مل رہی ہے، حریف کے ٹینک اور ہوائی جہاز بھر مکھی کی طرح مسلے جا رہے ہیں ہمارے فاتحانہ قدم ہر آن آگے ہی آگے بڑھ رہے ہیں مولانا مودودی عالم الغیب نہیں تھے جو یہ جان لیتے کہ یہ سب سفید جھوٹ ہے۔ سفید جھوٹ کے لفظ میں مبالغہ معلوم ہوتو یہ تو بہر حال طے ہے کہ دونوں حکومتوں کا پروپیگنڈہ غیر معمولی مبالغوں سے خالی نہیں تھا۔ اب اگر مولانا مودودی نے ایک راست گو آدمی کی طرح اپنی حکومت کو بھی راست گو سمجھ کر واقعہ ہی سمجھا کہ جنگ میں پاکستان کا پلہ بھاری ہے اور حریف نزع میں گر قنار ہے تو ان کی رائے اس کے سوا کیا بن سکتی تھی کہ اعلان تاشقند نے پاکستان کی جیتی ہوئی بازی ہرادی۔ مسئلہ گفت و شنید ہی سے حل کرنا تھا تو چھب پر فوج فرا سمیت جاٹوٹنے کا کیا جو از تھا۔ اگر حکومت پاکستان نے یہی سمجھا تھا کہ مسئلہ کشمیر گفت و شنید سے حل نہیں ہو سکتا، بلکہ فوج کشی ہی واحد حل ہے تو اچانک اعلان تاشقند کے کیا معنی جبکہ پاکستان ریڈیو کے بقول پاکستانی افواج کو قدم قدم میں ہی نصیب ہوتی جا رہی تھی۔

خاص نکتہ یہ ہے کہ اعلان تاشقند اپیل پاکستان کی نظر میں اچھا ہو یا بھرا لیکن غضب یہ ہے کہ اس میں پاکستانی قوم کی رائے اور مرضی شامل نہیں جب کہ ہندوستانی وزیر اعظم نے جو دستخط کئے تھے قوم کے ایک معتد بہ حصے کی مرضی

موسمیات سے بذریعہ اخبار یا براہ راست حاصل کئے جاتے ہیں۔ تو اس صورت حال کے پیش نظر رمضان شریف اور عید کے چاند کے متعلق شرعی احکامات کیا ہیں؟ اگر محکمہ موسمیات کی اطلاعات قابل اعتماد ہیں تو سورج اور چاند کے غروب کے اوقات میں کم سے کم کتنے منٹ کا وقفہ چاند دیکھنے کا امکان پیدا کر سکتا ہے۔ فرض کیا چاند سورج سے بیس منٹ بعد غروب ہو جاتا ہے تو کیا یہ چاند دیکھا جاسکے گا؟ نیز کسی دوسرے شہر یا ملک سے بذریعہ ٹیلیفون یا ریڈیو سہرا تم کردہ اطلاعات قابل اعتماد ہیں یا نہیں؟

جواب :-

ویسے تو چاند کے معاملے میں محکمہ موسمیات کی اطلاعاتیں کوئی وزن نہیں رکھتیں لیکن جس ملک میں سال کے سال امر ہوتا ہو اور مطلع صاف ہو یا مستقیمات میں سمجھا جاتا ہو وہاں محکمہ موسمیات کی اطلاعات کو وزن دینا ہی ہوگا۔

البتہ اگر ۲۹ کو مطلع صاف تھا اور پھر بھی سادہ طریقے پر دیکھنے سے چاند نظر نہیں آیا تو محکمہ موسمیات کی یہ اطلاع شرعاً معتبر نہ ہوگی کہ چاند ہو گیا ہے۔ دراصل شریعت نے دین کو آلات و ایجادات کا محتاج نہیں رکھا بلکہ سادگی اور آسانی کو مدد دینا ہے۔ عام طور پر مطلع امر آلود رہتا ہو تو سادہ اور عام رویت ہلال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا ایسے محکموں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جو آلات و ایجادات کا سہارا لیتے ہیں۔ مگر جس صورت میں نشئی آنکھ سے رویت ممکن ہو اس طرح کے محکمے شرعاً نظر انداز ہو جاتے ہیں۔

رہا چاند اور سورج کے غروب میں وقفے کا معاملہ تو یہ وقفہ مختلف مقامات پر ہی آگاہ نہ ہو سکتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم آپ کے ملک میں اس وقفے کا تنا سب کیا ہے۔ عام طور پر یہ ۲۹ تاریخ میں پندرہ منٹ تو ہوتا ہی ہے۔ زیادہ تحقیق مجھے نہیں ہے۔

دوسرے شہر کی ٹیلیفونی یا ریڈیائی اطلاعات چاند کے سلسلے میں اصولاً تو فیصلہ کن ہرگز نہیں ہیں، لیکن آپ کے انگلستان کا مسئلہ دائمی امر کے باعث قدرے الگ ہے۔ آپ کے

ایک ایسا حصہ ہے جس کے سیاہ و سفید کا تمام تر اختیار بھارت ہی کو حاصل ہے اور پاکستان کو اس کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کا کوئی حق نہیں ہے۔ یا پھر بھارت اپنے موقف میں لچک پیدا کر کے مفاہمت و مصالحت کی کوئی صورت نکالے یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ واقعہ کس کا موقف برحق ہے مگر یہ ہم بندوں کو بھی معلوم ہے کہ منہ مدام اور متضاد پرتیوتوں کی موجودگی میں اعلان تاشقند لیا یوتی اور فتح الیوتی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس اعلان میں ایسی بنیادیں ضرور موجود ہیں کہ اگر ہر دو فریق "لو اور دو" کے پرانے اصول پر عمل کریں تو جھگڑا ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب کوئی بھی فریق اپنے موقف کے انج بھر کھسکنے پر آمادہ نہ ہو تو کہا کی مصالحت اور تس کی دوستی۔ ہمارے یہاں اعلان تاشقند کی اسپرٹ کا چرچا بہت کیا جاتا ہے مگر ایسی روح ہم نے آج تک دیکھی نہیں جو بغیر جسم ہی کے کار فرمائی کرتی نظر آئے دوستانہ اسپرٹ کیسے پیدا ہو سکتی ہے جب کہ وہی مسئلہ جو کاتوں ہے جس نے حال ہی میں آگ اور خون کی ہولی کو جنم دیا تھا۔ رہا ہمارے ایک گو نہ اطمینان اور مسرت کا معاملہ تو سچی بات ہے ہم آپ ہی آپ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ تاشقند میں روس کے توسط سے ہندو پاک کے سربراہوں میں ایسی کوئی بات ضرور طے ہو گئی ہوگی جس سے نامراد مسئلہ کشمیر کا تباہی ناچہ ہو سکے گا اور اسی بنیاد پر دونوں نے اعلان تاشقند پر دستخط کئے ہوں گے۔ لیکن آج جب مینکشف ہوتا جا رہا ہے کہ یہ تو بس ہوا میں گرہ باندھی گئی تھی اور زہر کا سرچشمہ اپنی جگہ جو کاتوں موجود ہے تو اطمینان اور مسرت بھی بس سہرا بن کر رہ گئے ہیں۔ اللہ ہی ہے جو ان دونوں ملکوں کو چین لھیب ہو۔

انگلستان میں رویت ہلال کا مسئلہ

سوال :- از۔ گوہر الرحمن۔ بریڈ فورڈ (یورپ)
یہاں بریڈ فورڈ اور تقریباً پورے انگلستان میں مطلع عموماً امر آلود رہتا ہے۔ سورج طلوع و غروب کے اوقات محکمہ

اور لاجینی نوع کے اختلافات کو ہوا دے کر فتنہ و فساد پھیلانا ان کا محبوب غلہ ہے۔ ان کے پاس نہ علم ہوتا ہے نہ بھجوا۔ البتہ خود سری، نخوت، ضد اور ہٹ دھرمی و افریقار میں ہوتی ہے۔ ان کے چکر میں جو آیا پر لے سرے کا احمق بنا۔

فاتحہ دینے دلانے کی جو رسم آج کل رائج کرنی گئی ہے وہ سراسر بدعت ہے۔ جماعت اسلامی والے ہی کیا دنیا بھر کے تقریباً تمام ہی اونچے اور مستند علماء اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ آپ کو سن کر شاید تعجب ہو کہ ہماری طرف کا اگر کوئی فاتحہ باز مولوی عرب چلا جائے اور وہاں فاتحہ بازی کرے تو وہاں کی حکومت اسے کان پکڑ کر نکال دیتی ہے اور وہاں کے علماء اسے بدعتی کے نفرت خیز لفظ سے یاد کرتے ہیں۔ یہ تو بس ہندوستان ہی کے بعض شہروں سے ایک قوم اٹھی ہے جسے بدعت سے زیادہ مرغوب کوئی چیز نہیں۔ وہ دین کا کوئی بھی کام بدعت کی آمیزش کے بغیر پسند نہیں کرتی۔ چنانچہ یہ فاتحہ بازی یہ مجمع لگا کر درود پڑھنا یہ قبروں پر میلے لگانا یہ عرسِ قوالی میں وقت برباد کرنا اسی قوم کی خصوصیات سے ہے اور رفتہ رفتہ یہ اس قدر تاریک دماغ ہو گئی ہے کہ جو لوگ اسکی بدعت کا ساتھ نہیں دیتے انھیں یہ مسلمان ہی نہیں سمجھتی چنانچہ آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ پیش امام صاحب نے کیا فرمایا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ اس طرح کے پیش اماموں کی باتیں پاگلوں کی بڑے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ جماعت اسلامی والے درود بھی پڑھتے ہیں اور ہنرد گوں کو برا بھی نہیں کہتے۔ البتہ درود وہ حکم شریعت کے مطابق پڑھتے ہیں اس کی نمائش نہیں کرتے۔ نماز تو دراصل ان پیش امام صاحب کے پیچھے نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ یہ نہ صرف جاہل اور قاطر عقل معلوم ہوتے ہیں بلکہ کفر سے بھی بچے ہوئے نہیں ہیں۔ اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان پر خواہ خواہ کفر کا فتویٰ جڑے گا اسے اس کا فتویٰ خود اسی کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جماعت اسلامی سے کسی کو کتنا ہی تیر ہو لیکن اگر اس کا دماغ خراب نہیں ہے تو اس پر کفر کا فتویٰ وہ ہرگز نہیں جڑے گا۔ آپ کے پیش امام صاحب نہ صرف کافر بلکہ کفر کافر کہہ رہے ہیں۔ لہذا احادیث رسول کی روشنی میں یہ کفر خود

یہاں اگر کسی دوسرے شہر سے یقینی نوع کی اطلاعات مل جائیں تو سلیفو یا ریڈیو کا توسط بھی جا نہ ہونے نہ ہونے میں مفید ہو سکتا ہے اللہ اعلم بالصواب۔

جماعت اسلامی کٹر کافر!

سوال:۔ از:۔ محمد صادق۔ کریم نگر (آندھرا پردیش)

عرض خدمت یہ ہے کہ میں ایک مزدور پیشہ آدمی ہوں۔ اللہ کی توفیق ہوئی کہ چار پانچ ماہ سے نماز پڑھنا شروع کر دیا ہوں کریم نگر جامع مسجد کے پیش امام صاحب سے نماز کی باتیں بھی معلوم کر لیا ہوں۔ آپ کے پوچھنا ہے کہ جامع مسجد کے پیش امام صاحب مجھے جماعت اسلامی کے لوگوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جماعت اسلامی والے فاتحہ نہیں دلاتے درود نہیں پڑھتے ہنرد گوں کو برا کہتے ہیں وہ لوگ کٹر کافر ہیں۔ ان لوگوں کو ہمارے پیغمبر کی شفاعت نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کے پیچھے نماز نہ پڑھنی چاہئے اگر محمد اُپڑھ لے تو پھر سے وضو کر کے پوری نماز کو لوٹالینا چاہئے۔ ضلع کریم نگر میں آدھے سے زیادہ لوگ جماعت اسلامی کے ہیں اور میرے دوست وغیرہ جماعت اسلامی ہی کے ہیں۔ بعض وقت ان کے ساتھ نماز پڑھنا پڑتا ہے۔ پیش امام صاحب کہتے ہیں نماز نہیں ہوتی جماعت اسلامی کے لوگوں کے پیچھے۔

اور بہت سارے لوگ کہتے ہیں پیش امام جامع مسجد کے پیچھے ہی نماز نہیں ہوتی۔ اللہ کے واسطے بتائیے کہ مجھے کس کے پیچھے پڑھنا چاہئے اور کس کے پیچھے نہیں۔ میں پڑھا لکھا تو آدمی نہیں ہوں جو کہ میں خود سمجھ سکوں۔ آپ کے ارشاد پر عمل کروں گا۔

جواب:۔

اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان کے شر سے محفوظ رکھے۔ شیطان بعین کو بھلا یہ بات کیوں پسند ہونے لگی تھی کہ آپ نے نمازی سے نمازی بن گئے۔ اس نے متذکرہ پیش امام صاحب کی اڑے کر آیکو درغلانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ خوب سمجھ لیجئے دین کی بات معتبر علماء سے معلوم کرنی چاہئے۔ یہ جو آج کل پیشہ دراباموں کی ایک قوم پیدا ہو گئی ہے اس میں عالم و عاقل حضرات تو کم ہی ہیں کثرت ایسے افراد کی ہے جو جہالت و غباوت میں اپنا جواب نہیں رکھتے

اگر زید حمید سے کہتا ہے کہ اس پر کسی کی بددعا نے اثر کیا ہے تو اسے اس شخص سے مل کر اپنی اس زیادتی کی معافی مانگنی چاہیے جس سے متاثر ہو کر اس نے بددعا کی ہے اور اگر یہ بددعا کرنے والا مر گیا ہے یا کہیں دور چلا گیا ہے تو خدا کے سامنے گڑ گڑانا چاہیے۔

ستارے اور تقدیر

سوال ۱۲۰ :- (الغیا)

ستاروں کی گردش سے کیا تقدیر کا کوئی خاص واسطہ ہے؟ کیا تدبیر سے تقدیر بدل سکتی ہے؟ تقدیر کیا ہے؟

جواب ۱۲۰ :-

تقدیر اور ستاروں کی گردش کے باہمی تعلق بہت بعینت خاموش ہے۔ وہ نہ اثبات کرتی ہے نہ نفی۔ وہ تو بس یہ عقیدہ دیتی ہے کہ تقدیر اٹل ہے۔ اب اگر خدا نے ستاروں کی گردش سے بھی تقدیر کا کوئی ایسا تعلق رکھا ہو جیسا کہ اسباب ظاہری سے رکھا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن وہ یہ ضرور کہتی ہے کہ آدمی ستارہ شناسی کے چکر میں نہ پڑے نہ ستارہ شناسوں پر پورا بھروسہ کرے۔ ایسا اس لئے کہتی ہے کہ ستارہ شناسی بہر حال ایک ظنی علم ہے جس سے علم یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔

تدبیر سے تقدیر نہیں بدلا کرتی۔ لیکن وہ چیز ضرور بدل سکتی ہے جو ابھی واقع تو نہیں ہوئی مگر ہمیں اس کا وقوع یقینی نظر آ رہا ہے۔ مثلاً آپ بوسہ کاری تو شے ملا کہ جمعہ تک مکان خالی کر دو ورنہ بذریعہ پولیس خالی کرایا جائے گا۔ مقدمہ آپ ہار چکے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ بظاہر تو اس امر کی حیثیت امر مقدمہ ہی کی ہے کہ ہفتے کے دن آپ اس مکان میں نہ ہوں لیکن آپ بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔ کوئی سفارش لاتے ہیں۔ کوئی قانونی نکتہ نکالتے ہیں اور اس کی وجہ سے یہ تو شے فی الحال ملتوی کر دیا جاتا ہے۔ تو بظاہر یہی ہوگا کہ تدبیر سے تقدیر بدل گئی۔ لیکن

انھی کی طرف لوٹ گیا۔ اب ایسے شخص کی پڑھائی ہوئی نمازیں اللہ کی بارگاہ میں قبول ہو سکیں گی یا نہیں اس کا اندازہ آپ خود فرمائیے۔

اسلامی شادی

سوال ۱۲۱ :- ازہ۔ احمد بادشاہ۔ مینچریال۔

اسلامی طریقہ پر نہایت سادگی کے ساتھ مراسم کو ترک کرتے ہوئے اور غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کرتے ہوئے میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تفصیل سے جواب دیجئے گا کہ اسلامی طریقہ کیا ہے؟

جواب ۱۲۱ :-

نکاح کا اعلان سنون ہے۔ اس کے لئے ہماری طرف تو ڈھپڑے بجانے کا طریقہ رائج ہے یعنی شادی والے گھر پر کچھ دیر کے لئے تاشے بجا دیئے جاتے ہیں اس سے پاس پڑوس والے جان جاتے ہیں کہ یہاں شادی ہے۔ یہ نہ کیا جائے تو زبانی یا تحریری طور پر اجاب و اعزاز اور اہل محلہ کو مطلع کر دینا کافی ہے۔

اپنی استطاعت کے مطابق ولیمے کی دعوت کر دیجئے ولیمہ بھی پسندیدہ چیز ہے۔ یعنی لڑکے کے سر پرست کچھ دوستوں اور عزیزوں کو اپنی حیثیت کے مطابق کھانا کھلا دیں۔

ہونے والی بیوی کے لئے کچھ جہیز بھی ہٹا کیجئے۔ اتنا نہیں کہ مفروض ہو جائیں۔ بس اتنا جتنا آسانی کے ساتھ ہٹا کر سکیں۔ اس سے زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔

بددعا کا اثر

سوال ۱۲۲ :- (الغیا)

کیا کسی کی بددعا کسی پر اثر انداز ہو سکتی ہے؟ اگر کوئی بددعا کی زد میں آ گیا ہو تو اس سے نجات کا ازروئے شریعت کیا طریقہ ہے؟

جواب ۱۲۲ :- دعا اور بددعا دونوں کا اثر ہوتا ہے۔

موردی ترجمہ فتوح البلدان مطبوعہ نفیس اکیڈمی جلد اول
صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں:-

دیرموک میں) ابوسفیان بحیثیت مطوع اشام آیا
تھا۔ وہ اپنے ساتھ اپنی بیوی ہندہ کو بھی لایا تھا۔ چند سطر
بعد ابوسفیان بن حرب کا نام تھا۔ الطائف کی جنگ میں
اس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی تھی۔

یہ ان ابوسفیانؓ کی شان میں مولانا کا طرز بیان ہے
جو رسول اللہؐ کے صحابی اور عامل تھے۔ جو رسول اللہؐ کے
خسر اور حضرت معاویہؓ کے والد تھے۔ جن کی ایک آنکھ
غزوہ طائف میں شہید ہوئی اور دوسری برموک میں طائف
میں آنکھ شہید ہوئی تو رسول اللہؐ نے ان کو جنت کی بشارت
دی اور طائف میں دوسری آنکھ شہید ہوئی تو حضرت عمرؓ
نے مدینہ بلایا اور ان کی بڑی عزت کرنے لگے (اصابت تذکرہ
حضرت ابوسفیان)۔

بتائے یہ موردی صاحب کے بھائی ہیں جو ایسے صحابیؓ
کی شان میں کیا کیا بک گئے ہیں۔ انھوں نے مطوع کا ترجمہ
بھی نہیں کیا ہے۔ ذرا اس کا ترجمہ کر کے بتائیے اور یہ فرمائیے
کہ موردی صاحب کی حکومت اہمیت قائم ہو جائے تو ان
حضرت کو کیا سزا ملے گی۔ سورہ آل عمران کی آیت جن
بَعْدًا مَا أَسْرَأْتُمْ مَا يُجْتَنِبُونَ کا ترجمہ شاہ عبدالقادر کے الفاظ
میں۔ بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تھا رسی خوشی کی چھینر
مولانا عبدالمجید کا ترجمہ:-

بعد اس کے اللہ نے تمہیں دکھا دیا تھا جو کچھ تم
چاہتے تھے۔ مولانا موردی کا ترجمہ:-

اور جو یہی کہ وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جسکی محبت
میں تم گرفتار تھے۔ یعنی مال غنیمت۔ تم اپنے سردار کے حکم
خلاف ورزی کر بیٹھے۔

کہتے مزاج شناس رسول کی کسی تصویر کھینچی ہے موردی
صاحب کے؟ یہ کون لوگ ہیں جو مال غنیمت کی محبت میں گرفتار
ہیں۔ اور قرآن میں ان کے متعلق کیا فرمایا گیا؟
(میرے آپ ان کا جواب اپنے رسالہ تجلی کے ذریعہ

نی الحقیقت تقدیر نہیں ملتی بلکہ تقدیر تو یوں ہی تھی کہ آپ
کو ٹوس لے اور پھر آپ کی سعی سے ملتوی ہو۔

آدمی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونا ہے لہذا اس پر فرض
عائد کیا گیا کہ متوقع مشکلات کو حل کرنے کے لئے عقل و
تدبیر سے کام لے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتادیا گیا کہ تدبیروں
کے نتائج تمام تر اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور جو بھی نتائج
نکلنے ہیں وہ پہلے ہی مقدر کر دیئے گئے ہیں لہذا تدبیر کرنے
ہوئے انسان کی نظر اللہ پر ہونی چاہئے جسے توکل کہتے
ہیں اور نتائج جو کچھ بھی نکلیں ان پر صبر و شکر کرنا چاہئے۔
شاندار نکلیں تو انھیں اللہ کا کرم سمجھے اپنا کارنامہ نہیں اور
ناخوشگوار نکلیں تو اسے اللہ کی مصلحت سمجھ کر شکر ادا کرے
کہ اس سے بدتر نتائج بھی نکل سکتے تھے۔

تقدیر کیا ہے۔ اس پر خلف و سلف میں بہت کچھ
لکھا جا چکا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ بھی آگے کو واقع ہونا ہے
وہی تقدیر ہے۔ اسے ہم کسی بھی تدبیر سے نہیں بدل سکتے۔
لیکن تدبیر اس لئے ضروری ہے کہ جو کچھ آگے کو ہونا ہے
اس کا ہمیں علم تو حاصل نہیں لہذا جس مصیبت یا نقصان
کو ہم تدبیر کے ذریعے دور کرنا چاہتے ہیں وہ ضروری نہیں
کہ ہمارے لئے مقدر ہی ہو چکا ہو۔

بیچائے مولانا موردی

سوال نمبر ۱۔ از۔ سید ممتاز احمد۔ بنارس۔

یہ بات قابل ستائش ہے کہ آپ حق لکھنے اور حق بولنے
میں بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ یہاں تک کہ انے
شیخ استاد اور بزرگوں کو بھی۔ مجھے آپ کے بعض طرز و فکر
سے سخت اختلاف کے باوجود آپ کی اس حق گوئی کو دیکھ کر
بڑا رشک ہوتا ہے۔ لیکن میں رشک کرنا نہیں چاہتا۔ بلکہ
آپ کو حق گوئی اور حق کو فنی کا نمونہ بنا کر دوسروں کے سامنے
پیش کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ حسب ذیل سوال کا حق
پرستانہ جواب دیدیں۔

(۱) مولانا موردی صاحب کے بھائی مولانا سید ابوالخیر

جلد ہی مرحمت فرمائیں گے۔

جواب

آپ نے ایک ہی سوال کے ذیل میں دو سوال کئے ہیں۔ دونوں کا جواب بالترتیب پیش خدمت ہے۔

(۱) پہلے سوال کے سلسلے میں مجھے حیرت ہے کہ عمل تو پیش آیا آپ نے مولانا مودودی کے بھائی کا لیکن اعتراض کی تان توڑی مولانا مودودی پر۔ آخر دین و دنیا کا کونسا قانون اور کونسی منطق یہ جو اڑتی ہے کہ زید کے فعل پر آپ بکے بکے کھنڈ اس لئے بکے بکے کہ بکر زید کا بھائی ہے۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ آپ مولانا مودودی کے بارے میں الصفات اعتدال کے ساتھ کچھ سوچے کو تیار نہیں بلکہ قلب و ذہن میں ایک تعصب اور برہنہ ہے بیٹھے ہیں۔ اس صورت میں بالکل ممکن نہیں ہے کہ علم و استدلال کے ذریعے آپ کی وہ بدگمانیاں دور کی جاسکیں جو مولانا مودودی کے لئے آپ نے پرورش کر رکھی ہیں۔

میرے محترم! ابو الخیر صاحب کی عبارت اگر قابل اعتراض تھی بھی تو اسے مولانا مودودی کی حکومت الہیہ پر طعن و طنز کا ذریعہ بنا لینا کہاں کا انصاف ہے؟ بہتر ہے جاہلوں یا بددماغ عالموں کی طرح کیا آپ بھی اس نوع خیال میں مبتلا ہیں کہ مولانا مودودی جس حکومت الہیہ کی طرف دعوت دیتے رہے ہیں وہ ان کے اپنے دماغ کی گھڑی ہوئی کوئی چیز ہے۔ استغفر اللہ۔ "حکومت الہیہ" تو ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا اطلاق ٹھیک اس نظام حکومت پر ہوتا ہے جسے اللہ اور رسولؐ نہ صرف پسند فرماتے ہیں بلکہ اسکے قیام کی جدوجہد کا صریح حکم دیتے ہیں اور مومن کی زندگی کا ماحصل اور مقصد ہی اس حکومت کی طرف پیش قدمی اور اس کے لئے مسلسل جدوجہد کو قرار دیا گیا ہے۔ کیا قرآن نے امت مسلمہ کا مقصد آفرینش یہ نہیں بتایا کہ نبیؐ کو انسان کو بھلائیوں کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔ "حکومت الہیہ" کی اصطلاح ایسے ہی نظام حکومت کے لئے ہے جس میں محض تبلیغ اور وعظ و پند ہی کے ذریعے نہیں بلکہ قانون و دستور کے ذریعے بھی

اسی مقصد آفرینش کی تکمیل پر کامل توجہ دی جائے اور ترغیب تلقین کے علاوہ زور و قوت سے بھی معامی و فواجش کا دروازہ بند کر کے محاسن و معروقات کی نشوونما کی جائے۔

تب کیا کسی خدا سے ڈرنے والے مومن کو زبید دیتا ہے کہ مولانا مودودی سے اگر اسے بعض امور میں اختلاف ہے تو اسکی وجہ سے وہ ٹھیک ان چیزوں کو بھی طعن و ملامت کا نشانہ بنائے جن کی تقدیس اللہ اور رسولؐ کے یہاں مستحکم ہے اور جن کو مطعون کرنے کا مطلب اللہ اور رسولؐ پر طعن کرنا ہے۔ وغیرہ بالمشکل زندگی کی حدوں تک پہنچے ہوئے "تعلیم یافتوں" نے ایک ماڈرن اسلام تخلیق کرنے کے سلسلے میں جہاں اور سوطح کی چالیں چلی ہیں وہیں ایک پروپیگنڈہ یہ بھی خوب کیا ہے کہ اگر وہ حکومت الہیہ قائم ہو جائے جس کی طرف مولانا مودودی دعوت دیتے ہیں تو بات بات پر گردنیں اڑیں گی۔ ہاتھ کٹیں گے دڑے لگیں گے۔ یہ سب انھوں نے بڑے مسخرے ساتھ ایسے بھیانک انداز میں پیش کیا ہے کہ جو بھی سنے حکومت الہیہ کے نام سے پناہ مانگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ آنجناب بھی کسی نہ کسی وجہ میں اسی پروپیگنڈے سے متاثر ہیں ورنہ آخر کیوں آپ کے دماغ میں یہ طنز یہ خیال پیدا ہوا کہ مولانا مودودی کی حکومت الہیہ میں ان کے بھائی ابو الخیر جیسے لوگوں کو کیا سزا ملے گی۔ یہ طنز و مسخرے سے زیادہ کچھ نہیں ہے ورنہ آپ بھی جانتے ہیں کہ نہ تو حکومت الہیہ قائم ہونے جا رہی ہے نہ "حکومت الہیہ" مولانا مودودی کی کسی ذاتی اسٹیٹ کا نام ہے۔

ان معروضات کا منشاء یہ بتانا ہے کہ آپ کا اعتراض متین اور منطقی ہونے کے عوض جذباتی اور غیر منطقی ہے۔ ابو الخیر صاحب کی متذکرہ عبارت کسی بھی قابل اعتراض کیوں نہ ہوتی اس کے توسط سے مولانا مودودی کو ہدف نہیں بنانا چاہیے تھا۔ ایسا تو وہی شخص کیا کرتا ہے جو تاک میں بیٹھا ہو اور پیش زنی کا ذرا سا بھی موقع پا کر فوراً ڈنگ مار دے۔

رہا ابو الخیر صاحب کی عبارت کا معاملہ۔ تو عرض یہ ہے کہ بے شک کسی بھی صحابی کے بارے میں اس طرح کا طرز کلام ہمیں بالکل پسند نہیں اور عمومی سے معمولی صحابی کی بھی تعظیم و تکریم ہم

نہیں کرتے جیسی ہم کرتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ اپنے موقف اور طرز فکر کے لئے ان کے پاس ایسے تاریخی شواہد ہیں جن کی بنا پر ان کا ہم سے مختلف موقف اور طرز فکر اختیار کرنا جرم نہیں کہا جاسکے گا یہ بڑی زیادتی ہے کہ ہم یہ جانتے لگتے ہیں کہ ہر شخص ہر معاملے میں ٹھیک سی طرح سوچے جس طرح ہم سوچتے ہیں۔ کسی بھی صحابی کی شان میں کھلی گستاخی، اس کی تذلیل و تحقیر تو یقیناً گناہ ہے مگر واقعات کی روشنی میں اس کے متعلق کوئی ایسی رائے قائم کرنا جو عظمت کی امین نہ ہو جرم ہرگز نہیں ہے بشرطیکہ زبان شریفانہ استعمال کی جائے۔ ابو الخیر صاحب کی منقولہ عبارات شریفانہ اور شائستہ نہیں ہے اس لئے ہم اسے پسند نہیں کرتے مگر یوں لانا مودودی کے قلم سے آج تک اس قسم کی زبان پڑھنے میں نہیں آئی۔

ویسے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر کہیں حکومت اہمہ قائم ہو جائے اور عدالت میں کوتاہ ہم، تشدد اور غلو پسند حجوں کے عوض ہم، ذی بصیرت، محتاط اور توسط پسند قاضی تشریف فرما ہوں تو ابو الخیر صاحب کی متذکرہ عبارت پر کسی بھی نوع کی سزا ہرگز نہیں دی جاسکتی۔ یہ تو خیر ملکی عبارت ہے۔ ایسی عبارتوں پر بھی حکومت اسلامیہ کو دار و گیر کا حق نہیں۔ جن میں ایک شخص حضرت علیؑ کو حضرت ابو بکرؓ پر فوقیت دیتا ہے حالانکہ حضرت ابو بکرؓ کی افضلیت پر تقریباً اجماع ہے۔ لیکن اسلامی حکومت ایسے عقائد کے سلسلے میں دار و گیر نہیں کر سکتی جو مخصوص اور قطعی طور پر بنیادی دعوئی نہ ہوں۔ ہاں سب و شتم، تبراہ گانی بازی پر وہ ضرور قہر و غن گامی مگر سب و شتم کا اطلاق اتنا وسیع نہیں ہوگا جتنا وسیع ہم اسے اپنے عام معاملات میں بناتے ہیں۔ یعنی جہاں کسی نے ہمارے کسی محبوب شخصیت پر تنقید کی ہم نے سزا دیا کہ لیجئے صاحب فلاں شخص کو گالیاں دیدیں۔

ضروری خیال کرتے ہیں لیکن حضرت ابوسفیانؓ کی صحابیت کو نسبتاً کمتر سمجھنے والے اکیلے ابو الخیر صاحب ہی نہیں ہیں بلکہ اہلسنت والجماعہ ہی کے اخلاف و اسلاف میں بہترے علماء گذرے ہیں جو حضرت ابوسفیانؓ کی صحابیت کو دوسرے صحابہ کی صحابیت کے بالمقابل اضعف اور برائے نام ہی سمجھتے رہے ہیں۔ یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ ابوسفیانؓ بہت بعد میں ایمان لائے اور اس وقت لائے جب اسلام شک، تذبذب اور ضعف کی فضا سے نکل کر فیصلہ کن طاقت بن چکا تھا۔ جب کفر و شرک ہار چکے تھے جب اقتدار مسلمانوں کی طرف منتقل ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص اسلام اور مسلمانوں کو مٹا ڈالنے کی تمام کوششیں کر کے دیکھ چکا ہو اور مکمل ناکامی کے بعد مسلمانوں کو غالب و فاتح دیکھنے کے زمانے میں ایمان قبول کرے اس کے خلوص پر تمام دنیا تو کیساں طور پر مطمئن نہیں ہو سکتی۔ یتیموں کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے۔ ہم آپ ظاہری حالات سے ہی تخمینہ لگانے اور اندازے قائم کرتے ہیں۔ ظاہری حالات یقیناً ایسے تھے کہ حضرت ابوسفیانؓ کے ایمان کو ان سے قبل ایمان لانے والوں کے ایمان کی سطح پر رکھنا آسان بات نہیں ہے۔

اور اس پر تو جملہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ کا مرتبہ السابقون الاولون سے بہت کم ہے۔ کہاں وہ لوگ جو اسلام کی مظلومیت اور خوف و ہراس کے زمانے میں ایمان لائے اور خود کو خوفناک آزمائشوں کے حوالے کر دیا اور کہاں وہ لوگ جو اس وقت ایمان لائے جب ایمان لانے بغیر نہ عزت باقی رہ سکتی تھی نہ مال غنیمت ہاتھ آسکتا تھا۔ نہ زندگی میں کوئی لطف تھا۔ حضرت ابوسفیانؓ اٹھی بعد کے لوگوں میں شامل ہیں لہذا اگر کچھ لوگ ان سے عقیدت نہیں رکھتے، ان کی تکریم نہیں کرتے تو اگرچہ وہ ہمارے نزدیک غلطی پر ہیں۔ وہ بے احتیاطی بہت رہے ہیں۔ لیکن ان کا جرم بہر حال اتنا بھیانک نہیں ہے جتنا کسی ایسے شخص کا جو جہاں جبرین و انصار کی بے عزتی کرے۔ خود مولانا مودودی کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ حضرت ابوسفیانؓ اور امیر معاویہؓ کے بارے میں ان کے بعض خیالات ہم سے مختلف ہیں۔ وہ ان حضرات کی دیسی تکریم و توصیف

کیسے نہ ہوں جب کہ خودت ان صریح الفاظ میں ہی بتا رہا ہے پوری آیت پر نظر ڈالو۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ مُّارِدِيهِ

اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ تم کو دکھایا چکا تھا رسی خوشی کی چیمڑ۔ کوئی تم میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت۔ پھر تم کو اٹھا دیا ان پر سے تاکہ تم کو آزمائے اور وہ تم کو معاف کر چکا اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر۔

حَتَّىٰ إِذْ أَقْبَلْتُمْ وَبَنَاتِكُمْ فِي الْأَمْصَرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّا يُعَلَّمُ مِمَّا أَرَاكُمْ مَا تَحْبَبُونَ مِمَّنْ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَلْفُ مِائَةٍ مِّنْ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ إِذْ خَرَجْتُمْ مِّنْ مَدْيَنَ وَعَصَيْتُمْ مِمَّا يُعَلَّمُ لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَىٰ الْمُؤْمِنِينَ۔

(آل عمران - ۱۶ ع)

یہ حضرت شیخ الہند کا ترجمہ ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ مولانا مودودی نے تو فیشنلہم کا ترجمہ کیا ہے۔ ”تم نے کمزوری کھائی“ مگر حضرت شیخ الہند کمزوری کے بجائے ”نامردی“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو ظاہر ہے کہ کمزوری کے مقابلے میں زیادہ سخت اور تھیرا مینر ہے۔ لیکن نہیں سننے میں آیا کہ کبھی کسی نے اعتراض ٹھایا؟ خیر زبیر گفتگو کھڑے کو دیکھئے۔ کیا تشریح خود ہی نہیں بتا رہا کہ بعض صحابہ نے حضور کی نافرمانی کی تھی اور یہ وہی تھے جنہیں اس وقت آخرت کے مقابلے میں دنیا زیادہ عزیز ہو گئی تھی۔ دنیا کا اطلاق یہاں سوائے مال غنیمت کے اور کس چیز پر کیا جاسکتا ہے۔ یہی مال غنیمت تھا جس کا لالچ حکم مدوئی کا موجب بنا تھا۔ اب اگر مولانا مودودی نے اسی مفہوم ہی منطوق مضمون کو بریکٹ دے کر غیر مبہم الفاظ میں بیان کر دیا تو اعتراض کیسا اور کیوں۔ علامہ شبیر احمد کی تفسیر دیکھئے اس میں بھی تصریح ملے گی کہ مال غنیمت ہی کی محبت نے ان اصحاب کو حضور کی نافرمانی پر آمادہ کیا تھا۔

مولانا ابوالکلام بھی ترجمان القرآن میں صاف لکھتے ہیں کہ ”جب تم نے عین حالت جنگ میں رسول کی نافرمانی کی اور ایک گروہ مال غنیمت کی طبع میں موجود چھوڑ کر

پر کی ہے وہ بھی اسی بات کا مزید ثبوت فراہم کرتی ہے کہ آپ مولانا موصوف کے خلاف خواہ مخواہ کی کد لئے بیٹھے ہیں اور بنے نہ بنے اعتراض جڑنا آپ کو مزادیتا ہے۔

خدا جانے آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔ کیا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جنگ اُحد میں بعض صحابہ کے بارے میں مال غنیمت کی محبت کا الزام مولانا مودودی نے اپنے دل سے کھڑ لیا ہے یا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ واقعہ تو بہر حال یوں ہی تھا کہ بعض صحابہ مال غنیمت کے لالچ میں حضور کی حکم مدوئی کر بیٹھے تھے مگر مولانا مودودی کو اپنے قلم کی نوک پر اس کا تذکرہ نہیں لانا چاہیے تھا؟

اگر یہی بات کہتے ہیں تو اس کا نام ہر گالے خبری کا شاہکار اکیا آپسے بالکل سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ جس آیت کے سلسلے میں آپ مولانا مودودی پر اعتراض کر رہے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرمایا کہ آپ اور جس جنگ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اس میں واقع کیا ہوا تھا؟

تمام مفسرین و محدثین اور مورخین اسلام متفق ہیں کہ جنگ اُحد میں وقتی طور پر جو شکست اور شدید نقصان اہل ایمان کے حصے میں آیا وہ اسباب کی حد تک نتیجہ تھا ان صحابہ کی حکم مدوئی کا جنہیں حضور نے بطور امیر حکم دیا تھا کہ جب تک تمہیں دوسرا حکم نہ دیا جائے تم اپنی جگہ سے مت ہٹنا۔ ان لوگوں نے اپنے لشکر کا غلبہ دیکھ کر جلد بازی کی اور دوسرا حکم ملے بغیر ہی مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ خالد بن ولید کا جو دستہ تاک میں تھا اسے اچانک دھاوا بول دیا اور جنگ کا پانچواں مسلمانوں کے خلاف پلٹ گیا یہ تصریح تو خود بخاری میں (کتاب المغازی)۔ باب غزوہ اُحد) اسی مندرکہ آیت کے ذیل میں موجود ہے کہ پشت پر جن تیر اندازوں کو حضور نے مقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ جب تک ہم ہی نہ کہیں تم اپنی جگہ سے مت ہٹنا۔ وہ مال غنیمت کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ تمام شارحین حدیث امیر متفق ہیں کہ ہٹنے کی وجہ مال غنیمت کی محبت ہی تھی۔ اور

تترتر ہو گیا۔۔۔ (جلداول صفحہ ۳۷۴)

ابن کثیر۔ روح المعانی۔ روح البیان۔ کشف القناع۔ فتح القدر۔
خازن المتاریف کبیر اور بعض اور تفسیریں اس وقت ہمارے
سامنے موجود ہیں ان میں ایک بھی تو نہیں جو اس منصوص اور قطعی
امر واقعہ سے انکاری ہو کہ تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا
مال غنیمت ہی کے لالچ سے تھا۔

پھر بھلا آپ کا اعتراض کیا اور کیوں؟

ایک اعتراض علی بنے تنگ یہاں ہو سکتا تھا کہ ہاں
تجربوں سے مولانا مودودی نے "مال غنیمت" مراد لے لیا ہے
حالانکہ مراد اس سے وہ ابتدائی فتح ہے جس سے مغالطے اور
لالچ میں مبتلا ہو کر تیر انداز صحابہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے تھے۔
لیکن یہ اعتراض بھی فیصلہ کن نہیں کہا جاسکتا۔ کیوں کہ
مذکورہ تفاسیر میں سے متعدد تفسیروں میں مولانا مودودی کی
تائید موجود ہے لہذا کوئی حرج نہیں اگر مولانا کو یہ ترجمانی
زیادہ صحیح معلوم ہوئی ہو۔ نحوی اعتبار سے تراجم کا اختلاف
تو اہل علم میں عاں رہا ہے۔ اسے کسی فریق کے خلاف طنز و طعن
کا وسیلہ بنانا ہوشمندوں کا کام نہیں۔

مولانا دریا بادی اور شاہ عبدالقادر کے جو فقرے آپ نے
نقل فرمائے کیا ان میں اس سے بھی انکار کیا گیا ہے کہ بعض صحابہ
مال غنیمت کے لالچ میں آ گئے تھے۔ اگر نہیں کیا گیا ہے اور
یقیناً نہیں کیا گیا ہے تو پھر انھیں پیش کرنے سے فائدہ۔ یہ دونوں
مفسرین ہوں یا اور کوئی مفسر۔ کسی کے لئے بھی اس واقعے
سے انکاری گنجائش نہیں کہ جنگ اُحد میں بعض صحابہ نے حضورؐ
کی حکم عدولی کی تھی اور اس حکم کا سبب وہ مال غنیمت بنا تھا
جسے حاصل کرنے کے لئے وہ حضورؐ سے اجازت حاصل کئے بغیر اور
اپنے دتے کے سردار عبداللہ بن جبر سے منع کرنے کے باوجود اپنی
متعینہ جگہ چھوڑ بیٹھے تھے۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اسی آل عمران میں جنگ اُحد کے
تذکرے سے مربوط یہ آیت بھی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا | لے اہل ایمان مت کھاؤ
لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ | سود دونے پر دونے سود

مُضْرَعَةً۔

(سود)

جنگ اُحد سے اس امتناع سود کی آیت کا ربط اکثر
مفسرین نے یہی تو بتایا ہے کہ جن تیر اندازوں کے اپنی جگہ سے
ہٹ جانے سے مسلمانوں کو شکست کا زخم سہنا پڑا تھا ان کے
بیٹے کی وجہ مال غنیمت کی محبت تھی اور مال کی محبت دل سے
نہیں نکل سکتی اگر آدمی سود خواری کرتا رہے۔ یہ وہ وقت تھا
جب سود کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی اور یہود و نصاریٰ
کی طرح مسلمان بھی سود خواری کے کاروبار سے بلا تکلف وابستہ
تھے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ہی شخصیت و تصریح فرمادی کہ صحابہ کی
حکم عدولی کا باعث مال و دولت کی وہ غیر معتدل محبت ہی تھی
جو سود خواری کی عین سرشت اور وضع میں سمائی ہوئی ہے۔

پھر یہ بھی نہ بھولنے کہ زمانہ ابھی آغاز ہی کا تھا اور تیر
اندازوں کے اس دستے میں جنھوں نے اپنی جگہ چھوڑ دینے کی غلطی
کی تھی بڑی تعداد ان صحابہ کی تھی جو نئے بھی تھے اور غیر
تربیت یافتہ بھی۔ ان سے جو کچھ سرزد ہوا ابر ضرور تھا، مگر
حیرتناک یا غیر معمولی ہرگز نہ تھا۔ اسی لئے اللہ نے معاف بھی
جلد ہی فرما دیا کیا کوئی بھی نبیم آدمی اس طرز استدلال کو
معقول تصور کر سکتا ہے کہ چونکہ قرآن میں صحابہ کی تحمیل و تعریف
آئی ہے اس لئے ہر وہ تاریخی واقعہ غلط ہے جس سے کسی بھی صحابی
کی فرد عمل پر گناہ کا داغ آتا ہو۔

آپ ٹھنڈے دل و دماغ سے تعین فرمائیں کہ جو اعتراض
آپ نے مولانا مودودی کے ترجمے پر کیا ہے وہ ماثر برابر بھی وزن
نہیں رکھتا لایہ کہ آپ کا سو برظن اسے خیالی بانٹوں سے وزن
دار بناوے۔

ایک محاورہ اور ایک آیت

سوال: از۔ منظور احمد۔ ضلع بستی۔

بکہ جو صاحب علم ہے وہ دوران گفتگو میں یوں کہہ گیا
کہ "یہ امر تو خدائے عالم الغیب ہی جان سکتا ہے۔" زید نے
بکہ کو ٹوٹا کہ آپ صاحب علم ہوتے ہوئے ایسا نازیبا محاورہ
خدائے تعالیٰ کے حق میں استعمال کرتے ہیں۔ بکہ نے پوچھا کہ

علم کا انکار کیا جا رہا ہے بلکہ حقیقتاً مفہوم وہی ہوتا ہے جو دست اور بے غبار ہے۔ یعنی "خدا جانتا ہے۔"

جو آیت ان معترض صاحب کے جواب میں آپ نے پیش کی ویسی ہی کئی آیتیں تشریح میں اور بھی ہیں لیکن ان کا مفہوم سمجھنے میں خود آنجناب غلطی کر گئے۔ ان کا مفہوم یہ ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بہتیرے جزئیات کا علم نہیں ہے، بلکہ بعد میں جب چاہے وہ جان لیتا ہے۔ استغفر اللہ۔ یہ تو عقیدہ کفر ہے۔ قرآن و حدیث کی صریح نصوص سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں وہ سب کچھ مع اپنی جزئیات کے موجود ہے جو پہلے کبھی ہو یا آئندہ کبھی ہوگا۔ کوئی چھوٹی سے چھوٹی جزئی اس کے موجودہ علم کے دائرے سے باہر نہیں ہے۔

رہائے تشریح کا انداز بیان۔ تو وہ بھی اسی طرح محاوراتی ہے جس طرح "جان سکتا ہے" کا فقرہ تھا۔ قرآن دراصل اس زبان کا اور اس کے اسالیب کا زیادہ لحاظ رکھتا ہے جو قرآن کے مخاطبین اول میں رائج تھی۔ ہم انسانوں کا معاملہ تو ظاہر ہے یہی ہے کہ کوئی واقعہ جب ہو چلتا ہے تب ہم اسے جانتے ہیں۔ وقوع سے پہلے کوئی یقینی علم ہمارے پاس نہیں ہوتا۔

اسی انسانی حالت و کیفیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے اس نوع کی زبان استعمال فرمائی جس کا نمونہ آپ کی ذکر فرمودہ آیت ہے۔ یا مثلاً جب وہ کہتا ہے کہ ابھی اللہ نے یہ تو جانا ہی نہیں ہے کہ کون تم میں سے ایمان پر ثابت قدم رہنے والا ہے اور کون مترنزل ہو جانے والا۔ تو یہ انسانی فطرت و عادت اور صلاحیت و خصوصیت کے اعتبار سے کہتا ہے۔ نہ یہ کہ واقعہ اللہ کو علم نہیں ہے۔ علم تو اسے ازل سے ہے کہ کون ثابت قدم رہے گا اور کون ڈگمگا جائے گا مگر انسان چونکہ آنے والی کل کے بارے میں پہلے سے کوئی یقینی پیش گوئی نہیں کر سکتا اور اسے کسی شخص کے ثبات یا الغرض کا یقینی علم آزمائش اور مشاہدے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس لئے اسی کی طبیعت اور نفسیات کے مطابق پیرایہ اللہ نے استعمال فرمایا۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ تشریح میں اپنے ہاتھوں اپنے پیروں اپنے چہرے کا ذکر کرتا ہے حالانکہ مسلمات میں سے ہے کہ اللہ مجسم نہیں ہے

ہمارے اس جملے میں تشریحی کیا ہے؟ زید نے جواب دیا کہ "جان سکتا ہے" کا فقرہ صرف مخلوق کے لئے استعمال کیا جائے گا اور خدا کے لئے "جانتا ہے" کا کلمہ بولا جائیگا اس پر وہ کچھ برہم ہوا اور کہنے لگا کہ آپ جیسے لوگوں کو تو زبان و ادب کا کوئی حصہ ملا نہیں ہے خواہ خواہ اپنی قابلیت ظاہر کرنے کے لئے اعتراض کر بیٹھے میرے نزدیک تو "جان سکتا ہے" اور جانتا ہے "میں کوئی خاص مندرج نہیں، لیکن اگر آپ "جان سکتا ہے" کا فقرہ خدا کے حق میں جائز نہیں سمجھتے تو یہ آپ کی قرآن سے بے بصیرتی ہے۔ میں اس محاورے کی صداقت قرآن کی روشنی میں ثابت کر سکتا ہوں۔ قرآن کے بارہ دویم میں ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِنَ الْاٰیَةِ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اور ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ رہ چکے ہیں اسی لئے مقرر کیا کہ ہم کو معلوم ہو جائے کہ کون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اختیار کرتا ہے۔" دیکھتے صاف ارشاد ہے اللہ کا کہ ہم کو معلوم ہو جائے جس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہتیرے جزئیات کا پہلے سے جانا ضروری نہیں۔ ہاں وہ ہر معاملہ کو جب چاہے جان سکتا ہے اس کے لئے نہ کوئی وقت ہے نہ کوئی رکاوٹ۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ کیا واقعی بکر کا وہ مذکورہ بالا جملہ کہ "خدا سے عالم الغیب ہی جان سکتا ہے" شان الہیہ کے خلاف ہے؟ اگر خلاف ہے تو بکر پر شکر اگیا نضر عائد ہوتا ہے؟ بکر نے آیت کو میرے جو استدلال کیا ہے وہ صحیح ہے یا غلط؟

جواب ہے:-

اگر اصطلاحات اور محاوروں سے قطع نظر کر کے کوئی محض الفاظ پر چانداری شروع کر دے تو ایسے ہی لطیف پیدا ہو سکتے ہیں۔

یہ محاورہ ہی ہے کہ فلاں بات سوائے خدا کے کوئی نہیں جان سکتا۔ ایسا فقرہ ادا کرنے والے کا مفہوم یہ نہیں ہوتا نہ سننے والے ایسا سمجھتے ہیں کہ خدا کے دائمی اور مستقل

کے لئے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ تو کیا رمضان کے جمعہ الوداع کو اس نماز قضا کے عمری کی دین میں کوئی سند ہے؟ اور بھرا مذکور ان نمازوں کا یہ یک وقت با اذان و با جماعت پڑھنا جائز بھی ہے؟

جواب :-

جب کسی فرد یا گروہ میں "بدعت" کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ کسی خاص دائرے میں محدود نہیں رہتا۔ حد ہے کہ وہ ان معاملات میں بھی ایچ اور جدت طرازی سے کام لیتا ہے جن کا طول و عرض اللہ اور رسول نے قطعی طور پر معین کر دیا ہے۔

نماز ایک عبادت ہے جس کے اوقات، ارکان، طریقے، واجبات اور نوافل اللہ اور رسول کی طرف سے طے کر دیئے گئے ہیں لہذا نماز کے کسی نئے وقت یا طریقے کے جوڑ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جس رواج کا آپ نے تذکرہ فرمایا قطعی طور پر ایجادِ بدعت ہے اور اس میں مبتلا حضرات کے بائے میں کم سے کم جو بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے دین و شریعت کے اصل سرچشموں — قرآن و سنت سے ابتداء ہی رشتہ منقطع کر لیا ہے ورنہ کیسے ممکن تھا کہ وہ بلا تحقیق اس فعل کو قبول کر لیتے جس کی کوئی سند نہ قرآن و سنت میں ملتی ہے نہ ائمہ فقہاء کی تصریحات میں۔ دلیل لانے اور جواب دہی کرنے کی ذمہ داری تو دراصل انھی کے سر ہے کہ قضا کے عمری کا یہ طریقہ انھوں نے کہاں سے نکالا۔ ہم فقط اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ طریقہ بدعت ہے جس کا ثمرہ سوائے خسارے اور محنت کے کچھ نہیں ہے۔ جو جو آم و خواص آ کا خیر سمجھ بیٹھے ہیں ان سے تو ان کی صلاحیت اور درجے کے مطابق آخرت میں باز پرس ہوگی ہی مگر جو علماء عملاً اس میں شریک نہیں ہیں لیکن وہ نیکر بھی نہیں کرتے بلکہ خاموشی کے ساتھ اسے دیکھ رہے ہیں ان سے بھی آخرت میں سوال کیا جائے گا کہ تم نے نیکریوں نہیں کی اور صریح بدعت کے خلاف آواز کیوں نہ اٹھائی؟

اس کے ہاتھ پیر اور آنکھ ناک نہیں ہیں۔ وہ خیال و تصور سے بالا اور قیاس و تخمین سے بلند تر ہے مگر انسان چونکہ کام کرنے کے سلسلے میں ہاتھ پیروں ہی کو بطور آلہ استعمال کرتا ہے اور دیکھنے کے سلسلے میں چہرے ہی کو سامنے رکھتا ہے اس لئے تفہیم اور تعلیم کے لئے اللہ نے عاویہ اپنے ہاتھوں پیروں وغیرہ کا ذکر فرمایا حال یہ کہ "جان سکتا ہے" پر تو زید کا اعتراض لغو ہے اور متذکرہ آیت کے ذیل میں خود آنجناب کی ترجمانی غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہمیشہ سے سب کچھ جانتا ہے۔ سب کچھ پوری تفصیل کے ساتھ۔ جو اس عقیدے سے بڑھے وہ اسلام سے مٹا۔ تبدیہ کے بعد بھی اس پر جہار ہا تو یہ کفر ہوگا۔ خدا کی پناہ۔

بدعی نمازیں

سوال ۱۶ :- از: محمد برہان بخش - ضلع اورنگ آباد دکن۔

ہمارے یہاں (جلد آباد شریف) زمانہ قدیم سے یہ رواج چلا آ رہا ہے کہ ماہ رمضان المبارک کے آخری جمعہ کو ادا نماز جمعہ کے بعد ہی "قضا کے عمری" کے نام سے صبح - ظہر - عصر - مغرب - عشر یا پنج فرض نمازیں اور وتر کی تین رکعت نماز باجماعت و اذان اس طرح ادا کی جاتی ہیں کہ بعد فراغ نماز جمعہ صبح کی اذان دیکھا کہ دو رکعت فرض نماز فجر قضا کی نیت سے باجماعت پڑھی جاتی ہے اور پھر معاً ظہر کی اذان دیکھا کہ چار رکعت فرض نماز ظہر قضا کی نیت سے باجماعت پڑھی جاتی ہے اسی طرح عصر، مغرب اور عشرہ کی اذانیں دے کر ان اوقات کی مقررہ فرض نمازیں بہ نیت قضا باجماعت پڑھ کر بعد میں تین رکعت واجب الوتر بھی جماعت سے ہی بہ نیت قضا ادا کی جاتی ہے ان سب اذانوں اور نمازوں کی تکمیل بعد نماز جمعہ آدھے پون گھنٹے میں ہو جاتی ہے۔ "قضا کے عمری" کی یہ نمازیں بڑی احتیاط اور پابندی سے ہر نمازی وغیر نمازی دتارک الصلوٰۃ بنحو وقتہ) رمضان کے جمعہ الوداع کو بصرحت مذکورہ کرتے ہیں۔ اور جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس روز ان نمازوں کی نیت قضا باجماعت و با اذان ادا ہی تمام عمر یا سال بھر کی قضا شدہ نمازوں کا کفارہ سمجھ لیا جاتا ہے اور غیر نمازی لوگ سال بھر

کو مسلک صوفیاء کے کرام کی رو سے جائز بتلایا جاتا ہے اور مزارات پر سجدہ تعظیمی کے جواز کیلئے ایک فارسی مطبوعہ کتاب موسومہ ”شمائل اقیاء“ سے بھی سند لی جاتی ہے۔ شمائل اقیاء ایک بزرگ حضرت خواجہ رکن الدین بن خواجہ عماد الدین کاشانی کی تصنیف و تالیف ہے جو حضرت خواجہ برہان الدین غریب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید یا خلیفہ خاص تھے۔ خواجہ برہان الدین غریب اور ان کے برادر خورد حضرت خواجہ منتخب الدین نرذری زرخش دونوں حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی چشتی دیوبند کے خلفائے خاص سے ہیں۔ اور ان بزرگوں کے مزارات خلد آباد میں مرجع خاص و عام ہیں اور شمائل اقیاء کے مصنف یا مولف رکن الدین کاشانی صاحب کا مزار بھی ایک پختہ گنبد میں اپنے پیر حضرت خواجہ برہان الدین غریب کی درگاہ کے احاطہ سے باہر غریب جانب متصل واقع ہے۔

سجدہ تعظیمی کے جواز میں مذکورہ کتاب شمائل اقیاء کے صفحہ نمبر ۵۷ پر ایک خاص باب درج ہے جس کی نقول اشتہاری صورتوں میں طبع کروا کر بڑے بڑے آئینہ نمیں مزارات اولیائے کرام پر کسی حیدر آبادی صوفی صاحب نے آویزاں بھی کرادی ہیں جس کی نقل میں درج ذیل کر لیا ہوں۔ براہ کرم بعد ملاحظہ قبروں پر سجدہ تعظیمی کی اباحت کے متعلق قرآن و حدیث و عمل صحابہ۔ قیاس امام جہتہ کے پیش نظر پوری پوری روشنی ڈالی جانی مناسب ہے۔ قبروں کے علاوہ دیگر جائزہ بھی ہے تعظیمی کا بھی جو ان اس کتاب میں روایات و احادیث و فقہاء و فتاویٰ کے حوالوں سے جو ثابت کیا گیا۔ ہے وہ کہاں تک صحیح و قابل تسلیم ہے؟

جواب:

آپ کے ڈیڑھ صفحے پر جو اقتباسات ”شمائل اقیاء“ سے نقل کئے انھیں ہم نے خوف طوالت حذف کر دیا ہے۔ ویسے بھی وہ فضول ہی ہیں۔ شمائل اقیاء جیسی کتابیں اور خواجہ رکن الدین جیسے مصنفین جاہلوں اور بے عقولوں میں کوئی حیثیت رکھتے ہوتے رکھتے ہوں، اہل علم اور اہل عقل کے یہاں ان کا کوئی درجہ نہیں۔

خوب سمجھ لیجئے مبتد کہہ طریق شرعی اعتبار سے بدعت اور معنوی اعتبار سے سراج کے ہم معنی ہے۔ سراج اُس ریت کو کہتے ہیں جسے آدمی پانی تصور کرتے ہوتا ہے۔ ظاہر ہے یہ خیالی پانی پیاسے کی پیاس نہیں بجھا سکتا۔ اسی طرح عمر گذشتہ میں جنہی نمازیں تھا کی ہیں وہ فقط ایک دودن کی خود ساختہ نمازوں سے ادا نہیں ہو سکتیں۔

تھانمازوں کے لئے نہ جماعت ہے نہ اذان۔ خدا ہی جلنے لوگ شریعت کے معاملے میں قرآن و سنت اور ائمہ و فقہاء کے ارشادات سے بے نیاز ہو کر مطلق کیسے ہو جاتے ہیں دآپ کا اگلا سوال جو پندرہ شعبان کی تین نفل باعزت اور ازدیاد رزق اور درازی عمر وغیرہ کی نمازوں سے متعلق ہے اس کا بھی یہی جواب ہے کہ یہ سب بعد میں نکالی ہوئی چیزیں ہیں جن کا ظاہر خوبصورت مگر باطن تاریک ہے،

سجدہ تعظیمی

سوال:۔ (ایضاً)

خلد آباد شریف میں سلسلہ چشتیہ کے بہت بزرگان دین کے مزارات (بصورت درگاہ جات) ہیں۔ یہ اولیاء اللہ ساتویں صدی میں سلطان محمد تغلق کے دہلی سے دیوگڑھ (موجودہ دولت آباد) تبدیل دار الخلافہ کے وقت اور کچھ حضرات بعد میں یہاں شریف لائے تھے اور انھیں بزرگان کرام کے وجود سے جنوبی ہندوستان (یعنی دکن) میں اسلام پھیلا۔ ان اولیاء اللہ کے مزارات پر عام رواج یہ ہے کہ لوگ ”سجدہ تعظیمی“ درگاہ جات کے گنبد کی دہلیز پر اور مزارات پر بھی پائیں جانب ادا کرتے ہیں۔ بعض ساتوں اعضا ٹیک کر پوری طرح سجدہ کرتے ہیں بعض گھٹے کھڑے کر کے دونوں ہاتھ سر اور پیشانی کے ساتھ قبر پر ٹیکتے ہیں اور بعض دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر اس طرح قبر پر ٹیکتے ہیں کہ کپٹیوں کی جانب کا حصہ قبر سے مس ہوتا ہے۔ اور بعض دونوں ہاتھ قبر پر ٹیکتے ٹھہرے قبر کو بوسہ دیتے ہیں اور اس کو قدم بوسی یا پوسی کا نام بھی دیتے ہیں۔ مزارات اولیاء کرام پر اس طریق عمل

آپ اگر اس سلسلے میں خود اپنا اطمینان کرنا چاہیں تو زیادہ نہیں فقط ایک کتاب ”بداعت کیا ہے“ ملاحظہ فرمائیں۔ یا شاہ اسماعیل شہید کی ”تقویۃ الایمان“ دیکھیں۔

تفسیر حقانی

ایک اعلیٰ درجے کی تفسیر

یہ تفسیر عام فہم بھی ہے اور معلومات و مطالب کا پیشہا خزانہ بھی۔ قرآن پر جتنے بھی اعتراضات کئے جاتے رہے ہیں ان سب کا شافی کافی جواب اس میں ملتا ہے۔ معرفت و روحانیت کے علوم بھی اس میں علوم شریعت کے ساتھ ساتھ بڑی عمدگی سے مضبوط کئے گئے ہیں آیات کا شان نزول، آیات کا ربط اور احادیث کے ذریعے قرآنی قصص و واقعات کی تفصیل و تشریح میں بھی مفسر نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ غرض تفسیر اپنی نوعیت میں سیکتا ہے۔ عوام و خواص سب کے لئے نافع۔ عام قیمت ۲ روپے ہے مگر ہم شائقین کو ۶۰ روپے میں پیش کرتے ہیں۔

مجلد معمولی ۶۴ روپے۔ مجلد بہتر ۶۸ روپے۔

البیان فی علوم القرآن

یہ اسی تفسیر کا مقدمہ ہے مگر بجائے خود ایک کتاب بھی ہے ضخیم اور مبسوط۔ اس میں قرآن ہی کے لئے بیشمار معلومات جمع ہیں اور علوم قرآنیہ کی ہر شاخ گہکے معانی کے ساتھ موجود ہے۔

بہت دلچسپ اور مفید۔ چھ روپے (مجلد سات روپے) مخصوص رعایتاً۔ جو حضرات پوری تفسیر اور البیان ایک ساتھ طلب کریں گے ان سے محصول نہیں لیا جائے گا۔ وہ اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیں۔

عمداً کتابیں ملنے کا پتہ

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (پٹی)

سجدہ تعظیمی کے جواز میں جس قسم کے حوالے دیئے گئے ہیں وہ محض مغالطہ اندوزی ہیں یا تو جہالتوں کو ان کے سیاق و سباق سے الگ کر دیا گیا ہے یا بے اصل اور موضوع روایات چھانٹ کر لائی گئی ہیں۔ سجدے کے بارے میں کسی طویل بحث کی بجائے ہم اتنا ہی کہیں گے کہ سجدہ اظہار عجز اور ذلت و انکسار کی وہ آخری شکل ہے جس سے بڑھ کر کسی شکل کا تصور ممکن نہیں لہذا کسی سلیم الطبع مسلمان کے لئے تنہا یہی بات اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے بالکل کافی ہے کہ اظہار عجز کی اس آخری شکل کو فقط اسی ہستی کے لئے مخصوص و محدود رہنا چاہیے جو اپنی عظمت اور کبریائی میں وحدہ لا شریکیت۔ اکہم اللہ کے سوا کسی اور کے آگے بھی سجدہ ریز نہ ہو گئے تو پھر اللہ تبارک و تعالیٰ کی یکتائی کا احساس کہاں رہا۔

ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ شمائل اقیار ”جیسی کتابوں کے فاضل مصنفین کو دور دراز کے نکتے اور ضعیف و موضوع روایات اقوال تو نظر آتے ہیں لیکن یہ صاف و سادہ واقعہ نظر نہیں آتا کہ کسی صحابی نے حضور کو سجدہ نہیں کیا نہ ان کی قبر پر یا تھا طیر کا حالانکہ اگر خدا کے بعد کسی بھی ذات کے لئے سجدہ جائز ہوتا۔ خواہ وہ سجدہ تعظیمی ہی۔ تو حضور سے بڑھ کر کون اس کا مستحق ہو سکتا تھا۔ ہم سب مسلمانوں کے مابین اس پر اتفاق ہے کہ مخلوق میں سب سے معظم، محترم، برگزیدہ، برتر، بلند تر مقدس، محبوب ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے لہذا اس پر بھی یقیناً اتفاق ہونا چاہیے کہ خدا کے علاوہ کسی کی تعظیم و تکریم سجدے کے ذریعے جائز ہوتی تو سب سے پہلے حضور کو سجدہ کیا جاتا۔

مگر افسوس کہ شیطانی تصور کے چکر نے مسلمانوں ہی میں کچھ سادہ لوح اور بے مغز ”صوفیاء“ ایسے پیدا کر دیئے ہیں جو نہ صرف خود بگڑے بلکہ بہترے عوام کو بھی بگاڑا اور پھر جن حلقوں میں یہ بگاڑ پیدا ہو گیا وہاں قرآن و سنت کے روشن دلائل کا گزر نہیں بلکہ ایسے ہی تاریک اوندھے اور لایعنی انداز فکر کا سکہ رواں ہے جس کی سیاہی شمائل اقیار جیسی کتابوں کے اوراق میں پھیلی ہوئی ہے۔

کشکول مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مختلف مضامین کا دلچسپ مفید اور ایمان پرور مجموعہ۔ گو ناگوں

معارف و لطائف - ساڑھے سات روپے - ۷۱۵

مفردات القرآن قرآنی الفاظ کی شرح و توضیح پر اناکاراغب کی وہ شہرہ آفاق

کتاب جو بڑی بڑی تفسیر کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتی ہے اردو ترجمہ کے ساتھ - ہدیہ چالیس روپے - ۲۰۶

تاریخ فقہ اردو دنیا کے عرب کی معروف مہتمی علامہ شیخ محمد خضریٰ بک بھری کی معرکہ

الآراء کتاب کا سلیس اردو ترجمہ، فقہ کی مرتب تاریخ اور پیش بہا معلومات کا خزینہ - جلد نو روپے - ۹۱

کتاب الصلوٰۃ نماز کے مسائل پر ویسے تو بہت سی کتابیں ہیں مگر مولانا عبد الرشید کی

یہ کتاب اپنی نظیر آپ ہے - ڈھائی روپے - ۲۱۵

بیان اللسان بہترین عربی اردو ڈکشنری ہزاروں الفاظ محاورے ضرب الامثال

قیمت مجلد دس روپے - ۱۶

قاموس القرآن الفاظ قرآنی کی لاجواب لغت - کے لئے یہ لغت بہت مفید و کامیاب سمجھی گئی ہے -

قیمت مجلد نو روپے - ۹۱

اسلامی حکومت کے نقش و نگار اسلامی تاریخ کی بہترین کرداری اور عدل و امانت کے اعلیٰ نمونے - پورے دو روپے

مصائب الصحابہ اللہ اکبر - اسلام لانے کی سزا میں صحابہ نے کیا کیا نہیں جھیلنا

داستان خوب چمکان کو نور احسن بخاری کے ذرف نگار قلم سے پڑھئے - مستند اور سبق آموز - دو روپے - ۲۱

معراج المؤمنین قرآن و حدیث کی روشنی میں نماز کے معارف اور روحانی لبھائے کا مفصل

مجموعہ - دو روپے - ۲۱

ہفتی زیور مکمل و مدلل ہر قسم کے شرعی مسائل پر مشتمل اس کتاب کا ہر گھر میں رہنا

ضروری ہے - اسے گھر بھر مفتی تصویب فرمائیے - ماؤں بہنوں بیٹیوں کے لئے خاص چیز - بارہ روپے (مجلد پندرہ روپے)

روح تصوف صحابہ، علماء اور مشائخ و صوفیاء کے ارشادات کی روشنی میں تصوف کے جوہر

اور حقیقت کی نشاندہی دلچسپ اور فکر انگیز - ۳/۵۶

بے مثال زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر لیکن جامع سیرت جدید اسلوب میں

حافظ امام الدین رام نگر کی شگفتہ اور رواں قلم سے ۶۵ - شب و روز کے تمام معمولات اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق حدیث سے منقول دعاؤں کا شہور مجموعہ عربی مع اردو ترجمہ - قیمت دس روپے - ۱۰۶

خطبات مدراس سلیمان ندوی کے شہرہ آفاق خطبات اپنی نوع کی واحد چیز - قیمت ساڑھے تین روپے - ۳۱۵

مجموعہ سیرت رسول حضور کی حیات مبارکہ کے تفصیلی حالات عام فہم زبان میں - بچے بچیاں اور خواہ

بھی فائدہ اٹھا سکیں اس لئے کتاب ۲۵ حصوں میں بانٹ دی گئی - فی حصہ چالیس پیسے - (سب سے بچا تنگنا پر نو روپے)

کیا ہم مسلمان ہیں؟ شمس زبید عثمانی کے پوسٹ مضامین کا مجموعہ - سوادو روپے - حصہ دوم تین روپے

آداب زیارت قبور زیارت قبور پر ایک عمدہ شہ پارہ حضرت اسماعیل شہید کے فرمودات

قیمت چالیس پیسے

مسلمانان ہندوستان کی تاریخ تعلیم ایف بیہر فیروز مع حواشی و تعلیقات - مفتی انتظام اللہ شہابی -

قیمت مجلد چھ روپے پچتر پیسے - ۶۱۷۵

مخزن الولاہ ملفوظات شاہ خادم صوفی کا اردو ترجمہ تحقیقی حواشی سے مزین - مجلد تین روپے -

شمس نوید عثمانی

کیا ہم مسلمان ہیں؟

تاریخ پکار پکار کہہ رہی ہے کہ یہ اللہ کے وفادار بندے تھے۔ اور ان کا یہ سفر عشق و عبودیت کا جہاں نثارانہ سفر تھا۔ وہ ہجرت کر رہے تھے۔ ہجرت جو ایک بہت بڑا جہاد ہے۔ انسان کا خود اپنے عزیز ترین جذبات کے خلاف جہاد!۔ خود اپنے ہاتھ سے اپنی شہ رگ پر نیشہ چلانا۔ خدا کو اپنانے کی آرزو میں ان عزیز و لذیذ چیزوں سے خود کو کاٹنا جو خدا اور بندے درمیان حائل ہو رہی ہوں۔ یہی وہ سفر تھا جس کے پہلے ہی قدم پر انسان کے دل میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ نیا نئے رنگ و لوانا کتے سرانے فانی سے نہ کچھ کم ہے اور نہ زیادہ؟۔ جہاں انسان یہ دھوکہ کھا رہا ہے کہ وہ مقیم و مکیں ہے حالانکہ وہ محض ایک مسافر ہے۔ ایک راہی ہے۔ بلکہ محض ایک راہگیر ہے جو خدا کے پاس سے آیا ہے اور خدا کی طرف ہر لمحہ پلٹ رہا ہے۔

یہ بھی وہ بات جو ان کو شہر مکہ کے امین نے بتائی تھی خدا کے رسول نے بتائی تھی۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ اس نے کبھی اپنی عمر میں جھوٹ بولا ہی نہیں۔ جو انسان کے ساتھ تھا ہو وہ خدا کے معاملہ میں جھوٹا کیسے ہو سکتا ہے؟۔ اسی لئے ان لوگوں کو اس بات کا اتنا ہی یقین آچکا تھا جتنا کسی بھی سچی سے سچی بات پر کسی کو آسکتا ہے۔

وہ اسی یقین سے سرشار گھر سے نکلے تھے۔ یہی یقین تھا جس نے ان کو اپنے ان کئی گھروں میں بے چین کر دیا تھا جن کے چاروں طرف کفر و شرک کی قبر مانی طاقتیں گھیر اٹلے ان سے کہہ رہی تھیں:

عشق و عبودیت کا سفر

تین پاکیزہ روہیں!
قدوق صحرا کے سینے پر عشق و عبودیت کا سفر کر رہی تھیں۔
ان میں ایک مرد تھا۔ ایک عورت تھی اور — ایک
معصوم بچہ!
الوسلہ، ام سسلہ اور سلہ —

وہ مکہ چھوڑ رہے تھے۔ مدینہ کی طرف کوچ ہو رہا تھا حالانکہ مکہ ان کا آبائی وطن تھا اور مدینہ بکسر پر لیس۔ گھر کے در و دیوار تک سے انسان کو گہری محبت ہوتی ہے۔ وطن کی گلیاں بھی آدمی کو دل و جان سے زیادہ عزیز ہوا کرتی ہیں۔ کاروبار اور معاشی وسائل میں جی اٹکا رہتا ہے۔ دنیا اور اس کے علائق اور اس کے ظاہری سہاروں کو آدمی کیا کچھ سہرو گی اور انصاف عطا نہیں کرتا۔

مگر یہ تینوں ان تمام چیزوں کو اپنے پیچھے چھوڑے چلے جا رہے تھے! اور سامنے اب جو کچھ تھا وہ ویران صحرا تھا۔ اور صحرا کے اس پار مدینہ کی نئی بستی جہاں پہنچ کر انھیں ایز سر لو اپنی ذیالبنی تھی۔ نئے سرے سے زندگی شروع کرنی تھی۔ ورنہ پھر ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانا تھا۔

کوئی انھیں اس سفر پر مجبور نہیں کر رہا تھا۔ کوئی لالچ بھی نہیں تھا۔ اور — اور وہ دیوانے بھی نہیں تھے۔ تو پھر —
آخر یہ کیا ہو رہا تھا اور کیوں؟
— آخر یہ کون تھے

بیچ بکند ہوئی اور ماں باپ تڑپ جانے کے سوا کچھ نہ کر سکے!
روئے اور تڑپتے ہوئے بچہ کو نبی عبداسد والے لیکر چل
ہی دیئے۔

تڑپتا ہوا بچہ ماں باپ کی طرف دیکھ دیکھ کر تڑپ رہا
تھا اور ایک سمت میں لے جایا جا رہا تھا۔

روقی اور سسکتی ہوئی عورت جو ایک ماں بھی تھی اور
بیوی بھی وہ دوسری سمت میں گھسیٹی جا رہی تھی۔ لیکن وہ مریض
ایک باپ بھی تھا اور ایک شوہر بھی۔ مگر جسے اس وقت صرف
انتاہی یاد رہ گیا تھا کہ میں خدا کا غلام ہوں۔ وہ اب بھی بینے
ہی طرف چل رہا تھا۔ خدا کا بندہ خدا کی طرف دوڑ رہا تھا۔

اسے اب بھی یقین تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات کہی ہے
وہی سچی ہے۔ اسے اب بھی یقین تھا کہ یہ ابتلائے شدید بھی محض
ایک ایمانی آزمائش ہے۔ جس کا انجام ظالموں کی شکست اور
مظلوموں کی کامیابی ہوگا۔ باطل کی ہلاکت اور حق کی جیت اٹل
ہے۔ خدا کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ کتنا مضبوط ہے
خدا کا سہارا! جہاں تمام سہارے ٹوٹ کر رہ جاتے ہیں وہاں
بھی یہ سہارا دل ڈوبنے نہیں دیتا۔ مایوس ہونے نہیں
دیتا!۔ شکست کھانے نہیں دیتا!۔ مہیب سے مہیب

حقائق اس سے ٹکراتے ہیں مگر خود ہی سر ٹنگ پنگ کر پاش
پاش ہو جاتے ہیں اور یہ سہارا بھوں کا ٹوں قائم رہتا ہے
۔ بلکہ سچ پوچھئے تو ہر بار کچھ اور مضبوط ہوا چلا جاتا ہے۔ کیسے
بے نصیب ہیں وہ لوگ جو اس سہارے سے محروم ہیں!۔ اور
اس سے محروم ہی رہنا چاہتے ہیں!!۔ اور اس سے محروم جہانا
بھی انھیں گوارا ہے!!

مگر ان تینوں کے لئے یہی سہارا کافی تھا۔ اور کافی ثابت
ہوا۔ واقعی وہی تینوں عظیم کامرانی سے بہکنے والے جن کے
سفیوں کو توڑی دیر کے لئے ابتلا و آزمائش کے طوفانی تھیلوں
نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکھیر دیا تھا۔ اگرچہ یہ کامیابی ایک سال
بعد ظاہر ہوئی۔ لیکن ہوئی اور اسے ظاہر ہونا تھا۔ بشرطیکہ
انسان انتظار کر سکے۔ ایمان کفر کی طرح ناصبور اور جلد باز
نہیں۔ وہ صبر بھی کر سکتا ہے اور انتظار بھی! جہاں گداز

”تم شخص اس یقین سے دست برداری دیدو تو ہم لوگ
تمہیں کچھ نہ کہیں گے۔ یہاں رہنا ہے تو تمہیں اس دنیا
کو اپنا پہلا اور آخری گھر تسلیم کرنا ہوگا جو انسانی قبروں سے بٹی
ہوئی دنیا ہے۔ پتھر کے ان سبکدوش خدائوں کے آگے جھکنا
ہوگا۔ جنہیں ہمارے تمہارے ہاتھوں نے تراشا ہے۔
ایسا کر دگے تو ہم تمہارے ہیں۔ تمہارے گھر تمہارے ہیں جن
میں اپنے بیوی بچوں کے درمیان تم مٹھسی خوشی رہتے ہو۔ تمہاری
تجارتیں تمہاری ہیں۔ ایسا نہیں کرتے تو تمہاری کوئی چیز
بھی تمہاری نہ رہے گی۔

یہ دو یقین تھے کہ جو پورے زور و شور سے ٹکراتے تھے

جن میں ایک خود فریبی تھا۔ اور دوسرا خدا شناسی اور۔

”خود فریبی“ نے دیکھا کہ خدا شناسی نے بے جھجک اپنی ماریا

دنیا اس ایمان و یقین کے دائرہ پر لگادی ہے۔ اور وہ تینوں

ساری دنیا سے دامن بھاڑ کر اپنے خدا کی طرف چل کھڑے ہوئے

ہیں۔ کتنے پیچھے اور کتنے گہرے تھے وہ اپنے ”یقین“ میں۔ اس پر

کفر و مشرک آگ بگودہ ہو گئے۔ جھلا اٹھے! بڑھلا گئے

کیسے ممکن تھا کہ اتنی بڑی قربانی لے کر وہ ان کو اپنے جان و

ایمان سلامت لیکر روٹی چلا جانے دیں؟!۔ کتنی شدید ہے وہ

ذہنی جو طاعت کو خدا سے ہے۔ کفر کو ایمان سے ہے! ابو

سلیم اور ام سلمہ دو لوگوں کے اپنے اپنے قبائل کے دو لوگوں طرف

سے ان کا بچھا کیا! اور ایک وحشیانہ حکم کر کے بنی ہنیرہ کے

لوگ اپنے قبیلے کی خاتون ام سلمہ کو زبردستی گھسیٹ کر لچانے

لگے۔ دوسری طرف سے ابو سلمہ کے قبیلے بنی عبداسد کے لوگوں

نے ہڈ بولا اور معصوم بچے سلمہ کو ماں کی گود سے نوچتے ہوئے

کہا۔

”ام سلمہ کے قبیلے والے اپنے قبیلے کی عورت کو لیجاتے

ہیں۔ تو یہ کچھ ہمارے قبیلے کا بچہ ہے۔ یہ تمہارے ساتھ

جانے گا! اور کسی دیواری نے ماں باپ پر کرب طاری کر دیا

۔ دو لوگوں قبیلوں کے لوگوں میں اس بچہ پر وحشیانہ چھینٹا

چھینٹی ہونے لگی۔ دل ٹکارا و اشکبار ماں باپ کی گھسی نہ سنی

اور اس ششکس میں معصوم بچے کا ہاتھ اتر گیا۔ بچے کی دردناک

شکر کے تھے۔ شکر نعمت اور عجز بہ نسبت کے آنسوؤں میں
بھیکے ہوئے دیدہ و دل بچار اٹھے "یا الہی! تیرا شکر کیا کرتے
ہی یہ آزمائش اتاری اور تو نے ہی ہمیں اسکو جھیلنے کی طاقت
دی۔ تو نے ہی ہمیں اس میں کامیاب کیا۔ مصیبت ختم ہو گئی مگر
ہمیں یقین ہے ملک! اس کا انعام کبھی ختم نہ ہوگا!...."

کیسے اچھے تھے وہ لوگ جو اتنی سخت اتنی نازک آزمائش
میں بھی کھرے اور پورے اترے تھے! اور ہماری صرف اتنی سی
آزمائش ہے کہ کوئی آزمائش نہیں!۔ وہ صبر و ثبات کی زہرہ
گداز گھائی کو بھی ہنسی خوشی سر کر سکتے تھے لیکن ہم سے شکر عافیت
کا بھی حتی کسی درجہ میں ادا نہیں ہوتا!۔ وہ یقیناً مومن تھے
مگر کیا ہم بھی مومن ہیں؟ مسلمان ہیں؟..... یہ سوالی آپ
خود سے سمجھئے۔ اپنے ہی دل و ذہن کو ٹٹولیئے اور دیکھئے ظلمت
کی تہ میں روشنی کا کوئی نقطہ کوئی ٹیکر باقی ہے یا نہیں۔

ایمان "خطر پسند ہے"

کئے میں جس وقت خدا اور یوم آخر کا انکار کرنے والوں
نے خدا اور یوم آخر کا اقرار کرنے والوں کو ظلم و ستم کی باڑھ پر رکھ لیا
تھا، اس وقت کا مسلمان دنیا اور آخرت کے سلسلے میں کب
سوچتا اور کس طرح محسوس کرتا تھا؟۔ یہ انکشاف ایک
عظیم انکشاف ہے۔ اور حضرت عثمان بن مظعون کے واقف
یہی عظیم انکشاف کرتے ہیں
تعمیق اس وقت جب کفر و شرک کی تباہ کن غلطی کو تو
سمجھنے والوں نے جیسے یہ تہیہ کر لیا تھا کہ خدائے واحد کا کلمہ
پڑھنے والوں کو یوں نہیں، تہیہ یا تڑپا کر موت کے گھاٹ اتار دیں
مظلو موں پر طرح طرح کے ستم ٹوڑیں گے۔ اور پھر اس
مشق ستم کی دادی بھر کے خود ہی کو دیں گے۔ جب مظلو موں کے
رستے ہوئے رخم دیکھ کر بھی ظالم کو ترس نہ آتا تھا۔ ہنسی آتی تھی
جب بلا کشوں کے آنسو اور آپس دیکھنا اور سننا کوئی دکھ بھرا
حادثہ ہونے کے بجائے ایک دلچسپ تہیہ تفریح کا درجہ حاصل
کر چکا تھا۔ ہاں ایک ایسے بے رحمانہ ماحول میں مسلمان

آزمائش کے عالم میں ابوسلمہ اور ام سلمہ خذ کے فیصلے کا
انتظار کرتے رہے مگر نہ مرونے ہار مانی اور نہ عورت نے
ایک سال تک ابوسلمہ مدینہ میں اپنی شریک زندگی اور اپنے
جگر پارے سے جدا رہے۔ ایک سال تک ام سلمہ ریگستان
کے ڈروں کو اپنے آنسوؤں سے تر کرتی رہیں۔ کفر و شرک
کے مسکنوں کی تر راحت ان کی روح میں غار بنا کر کھٹکتی۔ وہ
بیکل بو ہو کر گھر سے نکلتیں اور صحرا میں جا جا کر اپنے نادیدہ خدا
کے حضور رو دیا کرتی تھیں۔ بس یہی ایک شے تھی جس میں ان کو
مسکون ملتا تھا۔ ہاں! باپ اور بچہ! تینوں اپنی اپنی جگہ
بیقرار بھی تھے اور اشکبار بھی۔ مگر کیسے اطمینان کی یہ بات
تھی ان کے لئے کہ یہ ظالم دنیا ہم سے ہمارا سب کچھ لوٹ لینے کے
بعد بھی یہ محسوس کرنے پر مجبور ہے کہ وہ ہمیں لوٹ نہیں سکی۔ اس
لئے کہ ہمارے ایمان پر ہاتھ ڈالنا اس کے بس کے بات نہیں!
ساری دنیا بھی خفا ہو جائے تو ہو جائے۔ وہ مطمئن تھے کہ
ہمہرا خدا ہم سے راضی ہے۔

اور پھر ایک سال کی طویل آزمائش ایک دن ختم ہو گئی
اور اس کے ساتھ ہی ان تینوں کے لئے جیسے تمام خوف
تمام غم ختم ہو گئے۔ یہاں کوئی مصیبت کتنی ہی سخت کیوں نہ
ہو مگر ہمیشہ جاری نہیں رہ سکتی۔ یہ دنیا بے جو فانی ہے۔
اس کے دکھ درد بھی فانی ہیں۔ وہ دن آیا کہ جس دن کفر
و شرک نے تھک ہار کر اس مومنہ کو اپنے جنگل سے خود
ہی چھوڑ دیا۔ اسے وہاں جانے دیا جہاں وہ جانا چاہتی
تھی۔ یہ چیز سنتے ہی بنی عبدالسد والوں نے بھی اس کے
بچے کو گود میں لاکر ڈال دیا۔ فیصلہ کن طاقت ہی واحد
طاقت ہے اور یہی طاقت صرف خدا کے پاس ہے۔ خدا
جسکی دو انگلیوں کے درمیان انسانوں کے دل ہیں اور
ان دلوں کو وہ جب اور جہدھر چاہتا ہے پھیر رہا ہے۔ پھیرتا
رہے گا۔ وہ تینوں جو اس بڑی طرح جدا ہونے کے خدائے
انصاف پھیر بچا کر دیا۔ دردوں کے جنگل سے نکالا اور تھمرے
دلوں کو ان کے لئے موم کر دیا۔ وہ تینوں ایک بار پھر یکجا
ہوتے۔ آج بھی تینوں اشکبار تھے۔ مگر یہ آنسو خوشی اور

”قسم خدا کی“ وہ رونے لگے۔ ”میں ایک مشرک کی پناہ میں
چین کی زندگی بسر کر رہا ہوں جبکہ میرے مسلمان بھائی خدا کی
راہ لہو لہان ہیں۔ ستائے جا رہے ہیں۔ ظلم و تشدد
سہر رہے ہیں۔ تو پھر... میں ان اذیتوں سے اب تک
محروم کیوں؟ کیا یہ عافیت پسندی میسر ایمان کی کمزوری تو
نہیں؟ ایمان..... کی..... کمزوری؟.....“

— کتنا جاندار کتنا قیمتی تھا یہ احساس کہ جن سے ایک
پل میں ان کی زندگی بدل کر رکھ دی۔ خیالات بدل گئے۔
جذبات بدل گئے۔ دل بدل گیا۔ سب کچھ بدل گیا۔
وہ اب اس عافیت سے اس طرح بھاگ کھڑے ہوئے
تھے۔ جیسے کوئی ہلاکت سے بھاگتا ہے۔

”کیسے آئے ہو؟“ ولید نے عثمان بن مظعون کو دیکھ کر
قدرے تشویش کے ساتھ پوچھا۔ کیونکہ اس وقت ان کے
چہرے پر ان کی اندرونی بیتا بیابان جذبات کی دھوپ چھاؤں
کھیل رہی تھیں۔

”تمہاری پناہ سے نکلنے کے لئے آیا ہوں؟“ حضرت
عثمان نے دو لوگ انداز میں کہا۔

”کیا.....؟“ ولید کی آنکھیں حیرت سے پھلکیں۔
”کفر و مشرک کی پناہ میں رہ کر ایمان کا دعویٰ بڑی جھوٹی
اور کھوکھلی بات ہے“ عثمان بن مظعون نے جذبات سے گونجتی
ہوئی آواز میں کہا میں خدا پر ایمان لایا ہوں اور خدا کی پناہ
میرے لئے کافی ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میرے مذہبی
بھائی اللہ کے راستے میں کس طرح ستائے جا رہے ہیں! میں
گوشہ عافیت میں بیٹھ کر ان کا تماشہ نہیں دیکھ سکتا! —
تم شکر یئے کے ساتھ اپنی پناہ واپس لو۔ میں وہاں جاتا
ہوں جہاں میرا دل ظلم و ستم کی خون چکاں چکاں فضا میں اعلیٰ
کلمۃ الحق کو رہا ہے۔.....“

”ٹھیکرہ! سنو! سنو!“ ولید چیخا ”کہیں تمہیں بھی
لوگ اسی طرح ظلم و ستم کے زخموں میں نہ لے لیں!..... ٹھیکرہ! —
مگر عثمان بن مظعون اس حقیقتی اور لازوال اخروی عافیت
کی منزل کی طرف تیز دوڑ رہے تھے۔ جسکی راہ میں جان مال

کس طرح سوچتے تھے اور ان کے جذبات اور ان کی تمنائیں
کیا تھیں؟ واقعہ یہ ہے کہ ان کی زندگیاں اتنی عجیب و غریب
زندگیاں تھیں جنکی آرزو کرتے ہوئے بھی آج کا مسلمان خوف و
ہراس سے تھر تھرا جاتا ہے! — وہ آخرت کی عظیم حقیقت کو
اتنے قریب سے دیکھ رہے تھے کہ دنیا کی ہر لذت ان کے لئے
ہیمچ ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک دائمی زندگی کی پریقین امید نے ان
کو عافیت کو شش نہیں خطر پسند بنا دیا تھا۔ کیا چشم فلک نے
یہ عجوبہ نہیں دیکھا کہ جو لوگ کفار کے قہر و ستم کا شکار تھے وہ تو تھے
ہی، مگر وہ لوگ بھی جو کسی وجہ سے عافیت میں تھے اپنی پناہ گاہوں
سے از خود باہر نکل آئے۔ اور ظلم و قہر مانیت کی زد میں اپنے
آپ جا کھڑے ہوئے۔ ان کے قدموں کی دھمک سے حیات
دنیا کے تمام حسین دھوکے ٹوٹ کر گر گئے۔ اور آخرت کی جہاں
نواز حقیقت ان کے اشک و خون سے تھر تھر کر دنیا اور انسان
کے سامنے چلی آئی۔ خدا اس وقت بھی غیب کے ہزار
پردوں میں تھا مگر خدا کے بندے — وہ بندے سب کے سامنے
تھے جن کو اپنے وجود سے زیادہ اس بات کا یقین تھا کہ اس
کائنات کا ایک خدا ضرور ہے۔

اور عثمان بن مظعون ایک ایسے ہی انسان تھے
اس دور ابتلا میں وہ اپنے ایک کافر رشتہ دار ولید
بن مغیرہ کی پناہ میں تھے۔ اس لئے ابھی تک ان کے ایمان
کو کفر کے فولادی ہاتھوں نے جھنجھوڑا نہیں تھا۔ ابھی تک
وہ اس لذت سے محروم تھے جو خدا کی نگلی میں زخم کھانے والوں ہی کے
حصے میں آتی ہے اور ہمیشہ آتی رہے گی۔ دنیا کے نقطہ نظر
سے ان کا یہ حال ”عافیت“ تھا۔ مگر ایمان کے نزدیک
یہ عافیت ایک بڑی ”حرومی“ تھی۔ اور چونکہ عثمان ایک سچے
مومن تھے۔ اس لئے اس حرومی کا فطری احساس ان کو ہوا
اور شدت سے ہوا۔ بلاکشان حق کے مصائب پر انھوں نے
نظر ڈالی اور پھر اپنی عافیت کو غور سے دیکھا تو یہ دیکھ کر ان
کی حیرت مٹ گئی کہ کفر کی پناہ میں رہنے کے معنی یہ ہیں کہ بندے
کے لئے خدا کی پناہ کافی نہیں۔ ان کے سینے میں پلچل مچا —
اور۔ اس احساس حرومی پر ان کا دل بھر گیا۔

خطرناک پوزیشن میں بھی وہ جھوٹ کو جھوٹ کہنے کی طاقت اپنے اندر رکھتے ہیں۔ یہ ایمان کی وہ خاص طاقت تھی جس کے حصے میں صرف ایک ہی خوف آیا ہے۔ خدا کا خوف! پوری بیباکی اور دردمندی کے ساتھ وہ کھڑے ہوئے اور اس شخص کی تردید کر دی جس نے اللہ کو پیمان لینے والوں کو "اہم" کے لفظ سے یاد کیا تھا۔ حق گوئی و بیباکی کا یہ اقدام برداشت کرنا کفر کی تاب ضبط سے باہر تھا۔ لوگ بھڑک اٹھے اور جسکی تردید ہوئی تھی وہ تو نہایت جوش اور محو نامہ طیش میں آگے بڑھا۔ پھر ایک آواز گونجی۔ بھر پور بھڑک کی آواز۔ یہ درست درازی لبید نے کی تھی اور اس کے نتیجے میں حضرت عثمان بن مظعون کی ایک آنکھ پھوٹ گئی!

ظالموں کے سینے اس ظلم کے خلاف سوزا احتجاج سے اسی طرح خالی تھے جس طرح خشک چراغ کی تپتی روشنی سے۔ ہاں فقط ایک شخص تھا جس نے خون کے ناطے ایمان کی اس منظر میرت کو کسی درجہ میں محسوس کیا۔ یہ وہی ولید تھا جس کی پناہ سے بندہ بمون نکل کر آیا تھا۔ اور عثمانؓ؟ وہ یہ زخم کھاتے ہی نہ جانے کہاں چلے گئے تھے! جیسے آنکھ پھوٹ جانے کے بعد ان دیکھے خدا کو دیکھ لینے کی صلاحیت میں دو گونہ اضافہ ہو گیا ہو!۔

"تم میری پناہ میں تھے تو ایسی اذیتوں سے محفوظ تھے"

ولید نے غلگساری کے انداز میں ان کے جذبہ ایسانی پر چوٹ کی۔

حضرت عثمانؓ کی غیرت بندگی اس غم خواری کی چوٹ کھا کر تڑپ گئی۔ خدا کی قسم! میری آنکھ جو ابھی ٹھیک ہے اس کی محتاج ہے کہ جو چوٹ پہلی آنکھ نے کھائی ہے وہی ایک بار اس کے حصے میں بھی آئے۔۔۔

"دیکھو! کفر و شرک کا مزاج اب بھی ایمان کی بات نہ سمجھ سکا" دیکھو! اب بھی میری پناہ کا دروازہ تمہارے لئے کھلا ہوا ہے۔۔۔"

"مگر مجھے اسکی ضرورت نہیں! بندہ مومن نے نعرہ مستانہ بلند کیا" میرے لئے خدا کی پناہ کافی ہے۔ خدا!

کے خطروں کی بھینٹ کی بھینٹ قدم قدم پر سامنے آیا کرتی۔ اور ساقی کو ڈرانے اور سہانے کی انتھک کوشش کیا کرتی ہے۔

— پھر کہتے ہیں یہ اعلان عام ہو گیا کہ آج سے عثمان بن مظعون ولید کی پناہ سے نکل گئے ہیں۔ یہ اعلان ہوا اور دوسری طرف عثمان بن مظعون نے خود آگے بڑھ کر باطل کو ایک لڑزہ خیز لٹاکر سنا دی!۔ انھوں نے راہ حق کی صعوبتوں کو خود آواز دیکر اپنی طرف متوجہ کیا اور کہا ادھر آؤ!۔ میں مسلمان ہوں!۔ میں وہ ہوں جس نے خدا کی راہ میں اپنی گردن تلوار پر رکھ دی ہے۔

قریش کی ایک محفل شعرو سخن گرم تھی اور کافروں کا اونچاٹا عربیہ بن ربیعہ اپنا کلام سن رہا تھا۔

مشاعر نے کہا۔

"سن لو!۔ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے"

"تو نے سچ کہا" عثمان بن مظعون نے بے ساختہ داد دی۔ اور مشاعر نے دوسرا مصرعہ پڑھا "اور۔۔۔

بہر حال۔۔۔ بہر نعت زوال کا شکار ہے"

"یہ جھوٹ ہے! عثمان کی حق گوئی نے برسہا محفل کفر و شرک کو لٹکارا" جنت کی نعمتیں زوال پذیر نہیں، لافانی ہیں۔ ایک پل کے لئے محفل میں سٹانا چھایا۔ پھر سبیریاں چڑھیں اور لال پہلی آنکھوں کے جلد سے لبید بن ربیعہ کی آتشیں آواز اٹھی:

"اے گروہ قریش! یہ تمہارے ہمنشین کی سر سے بڑی توہین ہوئی ہے اور۔۔۔ وہ بھی تمہارے سامنے۔ تمہاری محفل میں!!"

"آپ اس کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہیں؟ کسی نے خدا کے حق گو بندے کی تحقیر کرتے ہوئے کہا یہ تو ان یوفوفوں میں سے ایک یوقوف ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کہنے میں آگئے ہیں۔۔۔"

محفل کے جذبات کا چڑھا ہوا پارہ نظروں کے سامنے تھا۔ لیکن حضرت عثمان بن مظعون نے محسوس کیا کہ اس

جو تم سے کہیں زیادہ بلند و عظیم القدر ہے۔“

کبھی ہمارا ہی یہ حال بھی تھا کہ کفر کی پناہ ہمیں اس عقیدے کی موت نظر آتی تھی کہ ”خدا حافظ و ناصح ہے“ اور آج ہمارا ہی یہ حال ہے کہ کفر کی پناہ میں ہمیں پوری عمر کاٹ دینے کے بعد بھی اس خدا کا خیال نہیں آتا جس کی پناہ عثمان بن مظعون

جیسے مرد مومن کو کافی تھی۔

اب کفر کی پناہ گاہوں میں ہم اپنی موت سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور خدا کی پناہ میں آکر ابدی زندگی کا تمہین وعدہ ہمارے جذبات میں جنبش تک پیدا نہیں کرتا! —
ارے کوئی دیکھے تو سہی! — کیا ہم اندر ہی اندر مر تو نہیں چکے ہیں بخدا اس سوچ! کیا ہم مسلمان ہیں؟ —

سوز و جاندی کے وقت
سچے موتی
اور
۲۶ دواؤں کا
مرب

- آنکھوں کی تمام بیماریوں کا دشمن
- سینائی کا محافظ
- لمبے روزگار معمول بنانے و نگاہ انشا اللہ
- آتر عرق تک قائم ہے گی۔
- ڈیرینجف لگتا نہیں بلکہ شہد کراؤ
- فرحت پہنچاتا ہے۔
- سر سے کیساتھ ہماری سستی کیبائی سلامتی
- بھی طلب فرمائیے۔

ایک تولہ چھ پے
دالکھہ۔ ڈیوہ روپیہ
چھ اشہ سگائیں
کوئی سی تیشی ایک ساتھ ملا کر سہ پانچ گرام متا
ہر جزات
شہ اولیٰ
طب
سرب

دارالقیض چمانی بربند (دوبلی)

تحفہ کر بلا اگر بلا کے موضوع پر ایک فکر انگیز کتاب تقلیدی اسلوب کی بجائے تنقیدی اور تحقیقی انداز نظر

منطقی فکر اور حین و متوازن طرز نگارش۔ اسے پڑھ کر آپ کچھ سوچنے پر مجبور ہوں گے۔ قیمت ساڑھے تین روپے۔ ۳/۵۰

خطبات غوث اعظم حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کے ۶۲ خطبات اور آپ کے حالات

زندگی۔ شریعت اور توحید و وحدت کے معارف سے لبریزان خطبات کا مطالعہ آپ کے وقت کا بہترین مصروف ہوگا۔ مجلد ۵۰/۵

جامع اردو لغات اردو کے چالیس ہزار سے زیادہ الفاظ مع معانی و اصطلاحات

نیز انگریزی کے وہ الفاظ مع معانی و تشریح جو روزمرہ بولنے میں آتے ہیں (انگریزی سے ترجمہ سمیت) اعلیٰ لکھائی چھپائی۔ زیر

زیر کا اہتمام۔ چھوٹے سائز کے ۸۰ صفحات۔ سترہ رنگا۔ قیمت مجلد ساڑھے تین روپے

مصباح اللغات جدید عکسی ایڈیشن۔ مکمل عربی اردو لغت۔ پچاس ہزار سے زائد عربی الفاظ

کا جامع و مستند ذخیرہ۔ بیشتر لغت اب فوٹو انفیڈٹ کی نفیس طباعت کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ مجلد بیس روپے۔

حضرت ابو بکرؓ کے سرکاری خطوط شروع میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی عظیم

شخصیت کے فلمی خدو خال۔ پھر ان کے خطوط کا ترجمہ اور آخر میں عربی کے اصل مکتوب۔ چار روپے (مجلد ساڑھے پانچ روپے)

قصص القرآن کامل چار جلدوں میں مولانا حافظ الرحمن صاحب کی گراں قدر تالیف نیما

علیہم السلام کے حالات اور ان کی دعوتِ حق اور پیغام کی تفصیلاً پر اس درجے کی کوئی کتاب کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی۔

قیمت ممل غیر مجلد ساڑھے ستائیس روپے۔ ۲۴/۵۰

تحقیق مزید "خلافت معاویہؓ و یزیدؓ کے بعد محمود عباسی کی دوسری فکر انگیز کتاب۔ آٹھ روپے۔

مکمل لغات القرآن ۶ جلدوں میں

اردو زبان میں لغت قرآن کے موضوع پر جامع، مکمل اور مستند کتاب۔ مدرسوں اور عام مسلمانوں کے لئے یکساں کارآمد اور لائق مطالعہ۔ قیمت مکمل تینتیس روپے۔ (ہر حصہ مجلد طلب کرنا ہو تو چھ روپے ادا فرمائیں)

امام غزالیؒ کا فلسفہ مذہب و اخلاق امام عالی مقام کے

فلسفہ مذہب و اخلاق کا تفصیلی بیان۔ ایک بصیرت افروز کتاب۔ بڑا سا تر صفحات ۵۵ (غیر مجلد نو روپے)۔

مجلد دس روپے۔

تذکرہ صوفیائے پنجاب اعجاز الحق قدوسی کے لکھے ہوئے تذکرے اندھی عقیدت

اور مبالغہ آرائی کے نہیں تحقیق و تدقیق کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ یہ ضخیم تذکرہ بھی اسی کا نمونہ ہے۔ تنوکے قریب صوفیاء و مشائخ کے حالات و سوانح۔ مجلد بندرہ روپے۔

اولیائے لاہور لاہور کے تقریباً ساڑھے تین سو اولیائے کرام کے دل آویز حالات و کوائف

تفصیح و جواشی کے ساتھ۔ مجلد ساڑھے پانچ روپے۔

مسئلہ سود حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے قلم سے "سود" کے مسئلے پر مفصل بحث۔ قرآن و

حدیث کی روشنی میں۔ قیمت سوارو پیسہ ۱۱/۲

کتاب التوحید محمد بن عبدالوہاب نجدی کی حرکت الٰہیہ اور کتاب جو قرآن و حدیث کے

دلائل سے بدعات و شرکیات کا رد اور توحید و وحدت کا اثبات کرتی ہے۔ اردو ترجمے کے ساتھ عربی متن بھی موجود ہے۔ قیمت مجلد سواتین روپے۔ ۳۱/۲۵

فاران کا توحید نامہ اشرف و بدعت کی بیخ کنی۔ کربنولے پیش بہانہ میں

پر مشتمل یہ ضخیم اور مشہور نمبر آج بھی آپ ہم سے طلب کر سکتے ہیں۔ ساڑھے چار روپے (مجلد چھ روپے)

تذکرہ ان ازم و از سوانح سیدنا ابوالحسن علی ندوی (جلد سارے پانچ روپے) (مکتبہ تجلی دیوبند دیوبند) اسلامی خطوط نویسی روت کاغذ ۱۰۔ گین کاغذ ۱۰۔

دو خط

مگر اللہ اور رسول پر یقین رکھنے والے اور ملک پر اپنے جان و مال تبر بان کرنے والے وہ ادارے اور عظیم شخصیتیں جن کیساتھ ملک کی وفاداری کی تاریخ منسلک ہے، ان کو جمعیتہ العلماء پر اپنے ساتھ نہیں لیکر چل سکتی۔

وہ ایک ہی سانس میں برجستہ کہہ جاتے ہیں کہ مجلس مشاورت امارت شرعیہ، جماعت اسلامی فرقہ پرست اور فرقہ وارانہ ذہن رکھنے والے ہیں۔

مولانا اسعد حسنانے اپنی تقریر میں فرمایا۔ جمعیتہ العلماء سیکولر ازم پر ایمان رکھتی ہے۔ اخباری بیان کے مطابق مولانا موصوف نے ۵۰ منٹ صرف جماعت اسلامی امارت شرعیہ مجلس مشاورت اور نظاہرین کو گالیاں دینے میں صرف کیا جو کالی جھنڈیاں لیکر مسجد کے باہر کھڑے تھے۔ حتیٰ کہ ان کو عندہ تک بھی کہادیا۔

ادھر اپریل میں جمعیتہ کا عام اجلاس کیا میں ہونے جا رہا ہے بہار کے مشہور و معروف علما ذوالکل الگ تھلگ ہو کر گوشہ نشین ہیں۔ مثلاً حضرت مولانا منت اللہ صاحب رحمانی جو جمعیتہ کے قدیم اور خاندانی خادم ہیں۔ اجلاس گیا کو کامیاب بنانے کے لئے جو لوگ بہار میں دورہ کر رہے ہیں وہ ہیں کون؟ صرف ”کر ایہ کے ٹیو“ اگر ان کو کم پیسے دیئے جائیں تو فوراً اسٹیج پر گڈیوں کو پھینکے ہوئے کہتے ہیں کہ ”اگر میں جاتا کہ آپ لوگ اس قدر میری تقریر کی کم اجرت دیں گے تو ہرگز ہرگز میں یہاں نہ آتا۔“ یہ الفاظ کہنے والے آج مسلمانوں کے قائد

حال ہی میں مولانا اسعد صاحب جمعیتہ العلماء ہند کا دورہ بیبا اور علاقہ دیواراج (چمپارن) کا ہوا تھا۔ اخبارات میں ان کی تقریریں پڑھنے کو ملیں۔ جب وہ بتیا اسٹیشن پر پہنچے تو عوام نے کالی جھنڈیوں سے ان کا استقبال کیا۔ مولانا پولیس کے زیر سایہ جلسہ گاہ میں پہنچے جامع مسجد میں جو تقریر کی اس میں فرمایا کہ جماعت اسلامی امارت شرعیہ، مجلس مشاورت والے مل کر ملک میں آر، ایس، ایس اور جن سنگھ کی حکومت قائم کرنا اور گڑ بڑ مچانا چاہتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ مجلس مشاورت فرقہ پرستوں کی جماعت ہے اور وہ ملک میں انتشار کرانا چاہتی ہے مولانا محترم ایک عظیم اور قابل قدر شخصیت کے فرزند ارجمند اور ہندوستان کی قدیم جماعت کے ذمہ دار شخص ہیں۔ اپنی کم سنی و کم عمری کی وجہ سے جذبات میں اس قدر فرقہ وارانہ اور اشتعال انگیز تقریریں کرنے لگے ہیں جن سے ہوش مند اور ذی شعور انسان کا دل کھولنے لگتا ہے وہ جمعیتہ العلماء کو ہندوستان میں مسلمانوں کی واحد نمائندگی کا ٹھیکیدار قرار دیتے ہیں۔ لیکن اب اللہ کا شکر ہے کہ مسلمانان ہند ان کی چالبازیوں اور وسیسہ کاریوں سے پوری طرح واقف ہو چکے ہیں اور ہر جگہ اپنی زندہ دلی اور بیداری کا بین ثبوت سے لے رہے ہیں۔

یہ جمعیتہ العلماء ہند کے حضرات منکر خدا کی وینٹ (زیٹا) اور سنر آرونا آصف علی سے تو اپنا ربط و تعلق رکھ سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ۹۰ فی صدی مسلمانوں کو فرقہ پرست گرداننے والے ان کے مشیر اور ہر کام اور ہم نوالہ وہیم پیالہ ہو جائیں۔

تجلی

کسی قوم پر جب اس کی بدکرداری کے نتیجے میں ذلت و نحوست کے سائے پھیل جاتے ہیں تو پھر اس کے بہانے عوامی نظرات اسے گردانا اہل سرداری کہہ رہے ہیں۔ چہاں بصوف بگھار رہے ہیں۔ احمق فتوے دے رہے ہیں۔ وغیر ذلک۔

اسعد میاں کون اور کیا ہیں یہ کوئی راز نہیں۔ ان کے والد محترم جو کچھ بھی رہے ہوں مگر وہ خود اس سے زیادہ آخر کیا ہیں کہ یار لوگوں نے بے اصل پروپیگنڈے کی سان پر چڑھ چکا ہے انھیں مولانا اور حضرت بنا دیا اور عوام کی ضعیف الاعتقادی اور جہالت سے فائدہ اٹھا کر پارٹی باز لوگوں نے انھیں پیری کی وہ سند بھی عطا کر دی جن کوئی استحقاق انھیں نہیں تھا۔ پیری مریدی تو ایک فن شریف ہے۔ دکھیتی اور جب تراشی تک کے فنون میں کچھ بنیادی اصول و ضوابط ہوتے ہیں جن کا لحاظ بڑا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اسعد میاں کے معاملے میں ان کے محترم والد کے ارادت مندوں نے یہ بنیادی اصول بھی نظر انداز کر دیا کہ شیخ اجازت دیں تب کہیں سرید پیر بنے۔

پھر غضب یہ کہ جمعیتہ العلماء کی نظامت و صدارت بھی صاحبزادے کے سپرد کر دی گئی۔ صدارت بظاہر مولانا فخر الدین صاحب کے منسوب ہے لیکن جیسا کہ ہم متعدد بار لکھ چکے ہیں اور جیسا کہ ہر ذی بصیرت جانتا ہے مولانا موصوف تو ایک نئی ایک جنوط شدہ لاش سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ تبرک سمجھ کر انھیں چومنے یا چلکھنے مگر جہد و عمل اور سیاست و سیاست کے دائروں میں ان کا وجود اور عدم یکساں ہے۔ ان کی ذات تو محض اڑے ہوئے مولوی اسعد میاں کے منصب و جاہ کی۔

لہذا ایک طفل کتب کو جب حساب آخرت اور رد ملت سے تہی دامن حضرات نے یوں بانس پر چڑھا دیا ہو تو اسکی انیت اور غرہ جو بھی منزل ملے کہ جائے اس پر حیرت کیا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ اسعد میاں اور ان کے خیمہ برداروں کا واحد مقصد حصول اقتدار ہے۔ ہم ایسی خیال آرائیوں میں یقین نہیں رکھتے نیرت کا حال کون جانے۔ پھر حصول اقتدار کی کوشش ہر حال

اور رہنا بن رہے ہیں۔

مولانا اسعد صاحب نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو جماعت اسلامی کے کارکنوں کا گھروں سے نکلنا بند کر دیا جاسکتا ہے۔ مولانا نے تو ٹھیک ہی فرمایا "جاہیں" کا سوال ہی کیا ملک میں اکثر گرفتاریاں مسلمانوں ہی کی گرفتاریوں پر ہوتی ہیں۔ خود میرے ساتھ اس قسم کی حرکت کی کوشش کی گئی مگر بفضل اللہ ان کے سایہ سے محفوظ رہا۔

(محمد قاسم)

دوسرا خط

بتیا میں مولوی اسعد مدنی نے جو تقریر کی ہے اس کی اطلاع آپ کو پہنچ چکی ہوگی۔ اسعد صاحب نے جماعت اسلامی پر انتہا پسند اور نیشنلسٹ جماعت ہونیکا الزام لگایا ہے اور کہا ہے کہ وہ ہمارے ہاسٹنگ بھی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کہ یہ لوگ مسلمانوں کو درغلا کر ہندوستان میں آرائیں ایس اور جن سنگھ کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور ملک میں مسلمانوں کے قتل عام کے خواہاں ہیں اور ملک میں دس برسوں سے ہنگامہ برپا کرتے چلے آ رہے ہیں موصوف نے مجلس مشاورت اور امارت شرعیہ پر بھی الزامات عائد کئے کہ اول الذکر نے نندراجی سے گٹھ جوڑ قائم کر رکھا ہے اور خالص فرقہ دارانہ ذہنیت کی بنیاد پر قائم شدہ ہے اور جمعیتہ العلماء کی تعریف میں کہا ہے کہ اس کا ایمان سیلو لہ ازم پر ہے۔ بتیا کے عوام پر اس تقریر کا برا اثر ہوا عوام کی زبان پر تھا کہ جمعیتہ کے مولانا کا یہی شیوہ ہے کہ مسجد کے اندر سپاہیوں کی حفاظت میں مخالفین کو گالی گلو ج سے نوازیں۔ اسعد صاحب کا کالی جھنڈیوں سے استقبال کیا گیا تھا۔

(خریدار ۷۷۰۹)

کس حد تک درست ہیں اور ان کی ترتیب کہاں تک دیا متاثر اندازہ ہے۔ ہم چونکہ پاکستانی رسائل دیکھتے رہے ہیں اس لئے ہمیں معلوم ہے کہ یہ مضمون ایک فراڈ ہے۔ ایک شیڈنٹ ہے۔ الجمعیتہ والے بھی پاکستانی رسائل ضرور دیکھتے ہیں ورنہ یہ مضمون ہی کیسے نقل کرتے۔ ان کی ایک چشمی اگر انھیں صرف وہی مضامین دکھائی ہے جن میں جماعت اسلامی پر الزامات کی بوجھار کی جاتی ہے اور وہ مضامین انھیں نظر نہیں آتے جن میں ان الزام تراشیوں کی مدلل و مکمل تردید موجود ہوتی ہے تو تم سے کم یہی ان نام نہاد شرفاء کو سوچ لینا چاہیے تھا کہ الزام و افتراء اور اعتراضات پر مبنی پاکستانی مضامین کی حثیت ہمارے لئے ”سنی سنائی“ سے زیادہ نہیں۔ ہم تحقیق نہیں کر سکتے کہ کون سا الزام درست ہے اور کونسا نادرست۔ لہذا ہمیں انھیں اچھالنے اور پھیلانے کا اقدام کر کے ازرشتے حدیث فسق حلی اور کذب و دروغ کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔

مگر سوچے کون۔ آخرت کی جواب دہی کا تصور دلوں سے اس طرح نکل چکا ہے جیسے کمان سے تیر۔ اخلاقی حس مفلوج ہو گئی ہے۔ انا نیت کا غلبہ ہے۔ کبر و خود پسندی کی تہیں چڑھی ہوئی ہیں۔ اگر کسی کے دل میں جذبہ انصاف اور بصیرت میں اچھے اور بُرے کی تمیز ہے تو وہ جمعیتہ علماء کے اخبار الجمعیتہ اور جماعت اسلامی کے اخبار دعوت کا قائل اٹھا کر دیکھے کہ کون کیا سیرت ظاہر کر رہا ہے۔ کس کا اندازہ خیر ہی اور کس کا تعمیر ہے۔ کون بد زبان الزام تراش اور کینہ خصلت ہے۔ کون افتراق کو ہوا دیتا ہے۔ دعوت میں آپ جمعیتہ علماء کے بارے میں مستاری اور محبت کا جذبہ پائیں گے۔ نرم اور سنجیدہ زبان ملاحظہ فرمائیں گے۔ صلح جوئی اور بقا باہم کی اسپرٹ کا نظارہ کریں گے۔ اشتعال بہتان طرازی سبب و ستم سے اس کے صفحات پاک ملیں گے اور اپنی شان میں قصائد بھی اس کی عادت نہیں۔

میں بری بھی نہیں۔ کوئی فرد یا گروہ اگر ملک و ملت کی خدمت اور صلاح و فلاح کے لئے منصب و جاہ کا متلاشی ہے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ استعدادیں اور ان کی جمعیتہ ملت مسلمہ کی نیرازہ بندی اور اتحاد و تعاون کی کوششوں کے عوض افتراق کھچاؤ، تنازع اور انتشار کی راہیں ہموار کر رہی ہے اور اپنے سوا ہر جماعت کو طعن و دشنام کا ہدف بنا رہی ہے تو بادل ناخواستہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ اس گروہ کا سارا کھیل ہواؤ ہوس کے سوا کچھ نہیں۔ حد سے کہ پاکستان کی ڈاک کھلتے ہی روز نامہ الجمعیتہ نے پہلی فرصت میں وہ مضامین بھی پاکستانی رسائل سے نقل کرنے شروع کر دیئے جو وہاں حکومت و وقت کے خفی و علی اشارات کے تحت ٹھیکہ کی طرح زیب اشاعت کئے جا رہے ہیں جن طرح مصر میں جمال عبدالناصر کی خدا بیز اردو نہایت کے سایہ عاطفت میں انخوانوں کے خلاف پروپیگنڈوں کی ہم چلائی جاتی ہے۔

اب روز نامہ الجمعیتہ کے شریفیوں سے کوئی بوجھ کہ جناب کو پاکستان کی جماعت اسلامی سے کیا لینا دینا۔ اور اگر لینا دینا بھی ہے تو کیا خوف خدا کی کوئی رمت بھی دل میں باقی نہیں ہی ہے کہ ہر وہ مضمون نقل کرنے پر تلے بیٹھے ہیں جن میں جماعت اسلامی یا مولانا مودودی کو مطعون و رسوا کیا گیا ہو خواہ اس میں درج شدہ واقعات کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں جناب کی معلوماً بالکل صفر میں۔

اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہ کفٰی بالہو عکذ با الذمّحت بکل ماسمہ گو یا جھوٹا صرف وہی نہیں ہے جو جان بوجھ کر غلط بیانی کرے بلکہ جھوٹا وہ بھی ہے جو بلا تکلف ہر سنی سنائی کا چرچا کئے چلا جائے خواہ اس کے صحیح و غلط کا اسے کوئی علم نہ ہو۔ ۲۷ مارچ ۱۹۷۷ء کے سنڈے ایڈیشن میں لاہور کے شہاب سے ایک مضمون نقل کیا گیا ہے۔

”جماعت اسلامی کا اندرونی بگاڑ۔“

اس مضمون کا تعلق بعض واقعات سے ہے۔ واقعات کے بارے میں ایک طفل مکتب بھی جانتا ہے کہ ان سے اخذ کردہ نتائج کا دار و مدار اس بات پر ہوا کرتا ہے کہ بڑا وقت

اس کے برخلاف الجعیتہ میں وہ سب کچھ ملے گا جس کا نام فتنہ پردازی اور شرانگیزی ہے۔ بھڑکانے والے عنوانات چلے گئے مضامین۔ افتراق بین المسلمین کو ہوا دینے والے خبر نامے اور مراسلے۔ جمعیت کے فاضل مدیر کی بات الگ سے ان کی عدل پسندی، ذہانت، خلوص اور کمال تحریر کے ہم دل سے قائل ہیں۔ مگر اسے کیا سمجھئے کہ برے ماحول اور مسموم فضا کا اثر تو ہوتا اور پڑھتا ہے۔ وہ کبھی کبھی اپنے ماحول ہی کے رنگ میں رنگے جلتے ہیں۔ چنانچہ ابھی انھوں نے ایک گرما گرم تذکرہ لکھا جس میں ان لوگوں کو چھوٹا اور مفتری قرار دیا گیا جنھوں نے یہ اطلاع دی تھی کہ مولوی اسعد میا نے امارت شرعیہ ہمارے خلاف گل افشانی کی ہے۔ سوال یہ ہے کہ خود موصوف تو جلسے میں موجود نہیں تھے پھر وہ کیسے دُوق سے کہہ سکتے ہیں کہ مولوی اسعد میا کی بے لگام زبان پر امارت شرعیہ کے خلاف کچھ نہ آیا ہوگا۔ جب متعدد ذرائع سے یہ اطلاع مل رہی ہے کہ اسعد میا نے جماعت اسلامی اور مجلس مشاورت کے ساتھ ساتھ امارت شرعیہ کو بھی نشانہ بنایا تو فاضل مدیر کو تذکرہ سے تردید کرنے اور اطلاع دینے والوں کو دو ٹوک انداز میں کاذب قرار دینے کی بجائے یہ بتانا چاہیے تھا کہ کن وجہ سے وہ اس اطلاع کے غلط ہونے پر اپنی شدت سے مصہرے اور کون سے نقہ راوی انھیں ایسے مل گئے ہیں جن کی روایت کے بعد کوئی اور روایت قبول ہی نہیں کی جاسکتی۔

دوسری بے انصافی انھوں نے یہ کی کہ فقط امارت شرعیہ کی دل داری کر کے رہ گئے۔ جماعت اسلامی وغیرہ کا نام بھی نہیں لیا۔ گویا اس سے انھیں بھی انکار نہیں تھا کہ مولوی اسعد میا نے جماعت اسلامی کے خلاف زبان درازی کی ہے۔ تب کیا ضمیر فرشتی اور ظلم نہیں کہ جماعت اسلامی کی مظلومیت کا علم و احساس رکھنے کے باوجود فاضل مدیر یہ نہ کہہ سکے کہ اسعد میا کی حرکت غلط ہے۔ جماعت اسلامی کے بارے میں ان کے کیا احساسات ہیں یہ ہمیں ذاتی طور پر علم ہے اگر موصوف آج یہ بھی کہنے لگیں کہ میں تو جماعت اسلامی کو مظلوم

اور قابلِ رعایت نہیں سمجھتا تب بھی ہم کہیں سمجھے کہ ان جیسا ہمیں اس حقیقت سے ہرگز بے خبر نہیں ہو سکتا کہ مولوی اسعد میا اول تو ہم دین کے معاملے میں کسی راہ چلتے سے زیادہ قابلیت نہیں رکھتے۔ دوسرے وہ غبی ہیں ذہین نہیں۔ تیسرے وہ فقط ان الزامات و اعتراضات کی جگالی کرتے ہیں جن کے مسکت اور مضبوط جوابات بارہا دیئے جا چکے ہیں۔ چوتھے یہ وقت ملت مسلمہ کے لئے جس قدر نازک ہے اس کے اعتبار سے کلامی و فقہی جزئیات کی آڑ لے کر کسی جماعت مسلمہ کے خلاف شوہر شتر چانا انتہائی احمقانہ اور بد انجام حرکت ہے۔ یہ وقت تو وہ ہے کہ اگر واقعہً بھی کسی جماعت مسلمہ میں بہت سی خامیاں ہوں تو ان خامیوں پر زور دینے کے عوض ہمیں ماہ الاشرک مقاصد و مصالح کا لحاظ کرنا چاہیے اور باہمی اتحاد و اتفاق کے راستے نکالنے چاہئیں نہ یہ کہ اختلاف کو اور وسعت دیں۔ سخت رنج ہو کہ فاضل مدیر کی درد مندی اور خلاص تے اشارہً بھی کوئی تہنید اسعد میا کو نہیں کی اور تنہا امارت شرعیہ ہمارے بارے میں اس طرح صوفائی پیش کر گئے گویا جماعت اسلامی اور مجلس مشاورت کے خلاف زہر اگلنا تو اب کا کام ٹھیرا۔!

ہر شخص کو اپنی قبر میں سونا ہے۔ ہر شخص اپنا اعمال نامہ خود مرتب کر رہا ہے۔ ہم تو جماعت اسلامی کو خون نصیب سمجھتے ہیں کہ اسعد میا جیسے لوگ اسے ظلم کا نشانہ بنا کر اس کے اجر آخرت میں اضافہ کرتے رہتے ہیں اور خود اپنے حصے میں رو سیاہی لکھواتے ہیں۔ یہ قطعاً طے سمجھیے کہ حق کی دعوت دینے والی کوئی بھی جماعت جس زمانے اور جس ملک میں بھی اٹھے گی مخالفت کا نشانہ ضرور بنائی جائے گی۔ اپنے اور بیگانے دونوں حلقوں میں اس کے دشمن اور بدخواہ ضرور پیدا ہوں گے۔ یہ سنت اللہ ہے۔ انبیاء تک پرحت کہ خاتم الانبیاء جیسے تقریباً پر بھی افتخار پسندی اور جباری اور فتنہ پردازی کے ایسے ہی سارے الزامات جڑے گئے جیسے جماعت اسلامی یا انخوان المسلمون پر جڑے جا رہے ہیں شیطان آخر نچلا کیسے بیٹھ سکتا ہے۔ اسعد میا تو خیر طفل مکتب

میں نہیں لیا۔ میں خود حاضر محفل تھا۔ اسعد میاں پر اقرار کیا گیا، لیکن ۱۵ مارچ کے الجھیچہ میں صفحہ اول پر ہی اسعد میاں کی تقریر کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے اس تک میں امارت شرعیہ کا نام موجود ہے اور پٹنہ کے اخبار "سنگم" نے تو چیلنج کے ساتھ وہ تاریخ ہی شائع کر دیا ہے جو الجھیچہ ہی کے نامندے نے جلسے کے بعد بتیاد بہار سے روانہ کیا تھا۔ اس میں بھی امارت شرعیہ کا نام موجود ہے۔ پھر فرمائیے۔ دروغ نے فرغ اور کسے کہتے ہیں۔ خدا ہی جانے اس قوم کا انجام کیا ہوگا جس کی قیادت ایسے غیر ذمہ دار اور کم سواد لوگوں کے ہاتھ میں آگئی ہو۔ (عامر عثمانی)

ہیں۔ شیطان ظالم تو بعض مرتبہ بڑے بڑے استادوں اور شیوخ و اقطاب تک کو اپنا آلہ کار بنانے جاتا ہے۔ اسکی چالیں الاماں۔ وہ تو استادوں کا استاد اور عقیداروں کا عیار ہے۔

البتہ یقین کرنے کی حاجی نہیں جاہتا کہ مولوی اسعد میاں نے وہ بات بھی کہی ہوگی جس کا آپ نے آخر میں ذکر کیا۔ یعنی وہ اگر چاہیں تو جماعت اسلامی والوں کا گھروس نکلنا بزرگوارا سکتے ہیں۔

لیکن اگر سچ سچ انھوں نے کہی ہے تو یہ پچکانہ پن کی انتہا ہے۔ وہ لاٹ مباحب بھی ہوں تو ان کے لیں میں اتنا تو ہے نہیں کہ اپنی ناک پر بھنبھناتی ہوئی مکھی ہی مار سکیں۔ جماعت اسلامی والے تہہ دل سے تقدیر کے قائل ہیں اور تقدیر کے سچے قائلین کسی فرعون کی فرعونیت، کسی جبار کے جبر اور کسی چنگیز کی چنگیزیت تک کو اپنے پروردگار کے ارادے اور قدرت کے سامنے پرکاشہ کی برابر وقعت نہیں دیتے۔ اسعد میاں تو کیا چیز ہیں۔ حکومت کی ساری سیم اور فوج پولیس بھی جماعت اسلامی کا تو کیا اکیلے عام عثمانی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ آئیہ کہ پروردگار ہی اس کا فیصلہ کر دے اور مشیت ایزدی ہی ابتلاء کو مقدر فرما چکی ہو۔ اسعد میاں جیسے لوگوں کو جماعت اسلامی کے خلاف جو دستہ تیں نکالتی ہیں ضرور نکالیں اور زخم پہنچانے کی جتنی بھاگ دوڑا بت تک کر چکے ہیں اس سے دس گنا زیادہ کر کے دیکھ لیں۔ خوف تو وہ کھائے جس نے عیش دنیا ہی کو سب کچھ سمجھ لیا ہو۔ وہ کیا خوف کھائے گا جس نے دنیا کو متاع قلیل سمجھ کر عقبی سے لوگاری ہو۔ عقبے میں ظالموں، افترا پردازوں، فتنہ پسندوں نفس پرستوں اور بدکرداروں کا جو شر ہوگا اس سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔

لغت الحدیث (کامل) چھ ضخیم جلدات کی یہ نادر کتاب ذخیرہ حدیث کے الفاظ و محاورات وغیرہ کی اردو شرح، طلباء بلکہ اساتذہ تک کے لئے ضروری، علمی لائبریریوں کی جان۔

ہدیہ انشی روپے

(طلب کرنے والے اپنا اٹیشن ضرور لکھیں)

بستان المیثین اردو تمام معروف و نیم معروف محدثین کی شخصیتوں اور کتابوں کا تحفہ تہہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے قلم سے۔ جلد ساڑھے پانچ روپے۔

امام ابن ماجہ اور علم الحدیث صحیح مسند حدیث کی اصلاح مسند حدیث کی چھ صحیح کتابوں ہیں ابن ماجہ شریف بھی ہے۔ اس کے جامع امام ابن ماجہ بڑے بڑے کے محدث تھے۔ انھوں نے علم حدیث کی طلب میں کیا کچھ مشقتیں اٹھائیں اور ان کی کتاب سے متعلق کارآمد معلومات کا حال اس دلچسپ کتاب سے معلوم کیجئے۔ جلد دس روپے۔

شامل ترمذی ترمذی شریف کے جس حصے میں حضور کے شامل ترمذی شامل یعنی ناک نقشہ، حمادات و خصائل مرغوبات وغیرہ کی حدیثیں آئی ہیں انھیں شامل ترمذی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اردو ترجمہ مع عربی متن۔

جلد آٹھ روپے

لطیف نوٹ کرنے کے قابل ہے۔ ریاست بہار کے ناظم جھیچہ العلماء فاروق الحمیدی صاحب نے اعلان تو فرمایا کہ مولوی اسعد میاں نے امارت شرعیہ کا نام ہرگز اپنی تقریر

ممبر بن کر قیمتی کتابیں حاصل کیجئے

فیس ممبری صرف ایک روپیہ

ذیل میں جن ایسے سلسلوں کے نام دیئے جا رہے ہیں جو دو ماہی قسطوں میں چھپ رہے ہیں۔ عام آدمی کے لئے زیادہ قیمت کی ضخیم کتاب خریدنا آسان نہیں مگر قسط وار وہ اسے آسان بنا سکتا ہے۔ ذیل کے کسی بھی سلسلے کی ممبری ایک روپے میں قبول فرمائیں تو ہر قسط آپ کو ڈاک خرچ معاف کر کے پہنچے گی اور اب تک کی چھپی ہوئی قسطیں بھی ڈاک خرچ معاف کرتے ہوئے بھیج دی جائیں گی۔ یہ آپ کی مرضی ہے کہ پچھلی سب قسطیں ایک ساتھ طلب کر لیں یا تھوڑی تھوڑی کر کے۔

ایک سے زائد سلسلوں کی ممبری قبول کر نیوالے ہر سلسلے کے حصے کا ایک روپیہ بھیجیں

فتاویٰ عالمگیری دور عالمگیر کے بلند پایہ علماء کی مرتب کردہ اس شہرہ فاقی اور ضخیم کتاب کا اردو ترجمہ مع ضروری افادات اردو میں چھاپا جا رہا ہے۔ اب تک آٹھ قسطیں چھپ چکی ہیں (فی قسط دو روپے ۲۵ پیسے) یہ کتاب فقہ حنفی میں بڑا عظیم مقام رکھتی ہے۔

نور اللہ رایہ شرح ہدایہ ہدایہ کو فقہ حنفی کی بنیادی کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ احناف کے سب مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کا سلیس اردو ترجمہ مع ضروری تشریح دو ماہی قسطوں میں چھپ رہا ہے۔ قیمت: فی قسط دو روپے۔ اب تک گیارہ قسطیں چھپ چکی ہیں۔

درس قرآن قرآن کے مطالب ذہن نشین کرانے کے لئے یہ ایک نہایت عام فہم، دل نشین اور مفید ترین سلسلہ چل رہا ہے جس کی چودہ قسطیں آچکی ہیں۔ ہر نئی قسط دوسرے ماہ آجاتی ہے۔ فی قسط دو روپے۔

تفہیم البخاری بخاری جیسی عظیم کتاب حدیث کے معانی و مطالب سے قلب و ذہن کو منور کرنے کیلئے یہ سلسلہ بڑا دلپذیر اور ایمان افروز ہے۔ اب تک آٹھ قسطیں چھپ چکی ہیں۔ فی قسط تین روپے۔

منظاہر حق مشکوٰۃ شریف کو کتب حدیث کا عطر اور منتخب گلدستہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کی نفیس اردو شرح آٹھ قسطیں آچکی ہیں۔ فی قسط دو روپے

تفسیر ابن جریر قدیم تفسیروں میں یہ تفسیر خاص شہرت رکھتی ہے۔ یہ بھی وہی دو ماہی قسطوں میں چھپ رہی ہے۔ فی قسط دو روپے۔ اب تک پانچ قسطیں آچکی ہیں۔

تفسیر مدارک قدیم تفسیروں میں اس کا جگہ اگلا نمبرنگ ہے۔ فی قسط دو روپے۔ (پانچ قسطیں آچکی ہیں۔)

ایضاح البخاری بخاری کی اردو شرح، از مولانا فخر الدین اساتذہ دارالعلوم دیوبند۔ اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ اصل عربی متن بھی موجود ہے۔ اب تک دس قسطیں آچکی ہیں۔ فی قسط دو روپے ۲۵ پیسے

مکتبہ..... تجلی..... دیوبند۔ پوہلی

کیسافہ معتدل تنقیدی اسلوب بھی موجود ہے جو تصوف اور شریعت میں ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔ چار روپے آٹھ آنے۔

اسوۂ نبوی یعنی مصائب
سرور کونین کا بیان
ایک اچھوتی کتاب
دس آموز اور ایمان
افروز۔ قیمت تیناروپے
(مجلد چار روپے)

اسلام کا اقتصادی نظام
عقائد و اعمال سیاست
حفظ الرحمن صاحب
کے قلم سے۔ اسلام کے معاشی نظام کی مکمل تفصیل
قیمت۔ چھ روپے۔ (۶۸)
مجلد ساڑھے سات روپے

دیہاتی معالج
ویسے تو یہ کتاب بظاہر دیہاتیوں کے کام
کی نظر آتی ہے مگر حقیقتہً ایسا نہیں ہے۔
ہم آپ بھی اس سے بیش بہا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس
میں آنے دن وارد ہونے والے تمام امراض کا علاج ایسی چیزوں
سے تجویز کیا گیا ہے جن میں سے کتنی ہی چیزیں ہمارے گھروں
اور بازاروں میں موجود رہتی ہیں۔ مثلاً سیاہ مرچ۔ کھٹائی
شہد۔ بھٹکری۔ اسن۔ پیاز۔ الائچی۔ ہلدی وغیرہ۔
گھر میں اس کتاب کا ہنا بڑی ہی نعمت ہے کہ بعض ناگہانی
امراض یا حادثات میں یہ فوری رہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے
چھپائی اعلیٰ عکسی رسانی اعضاء اور خاص جڑی بوٹیوں کی پیشاور
تصویروں۔ حصہ اول کے صفحات ۳۱۳ قیمت تین روپے۔ حصہ
دوم کے صفحات ۲۳۲ قیمت ڈھائی روپے۔

ایمان کیا ہے؟
شیخ عبدالرحمن محدث دہلوی کی ایک
مفید و اہم کتاب کا اردو ترجمہ۔ ایمان
کی حقیقت۔ اس کے اجزاء اور بنیادیں۔ اس کے ہر فردی جزو کی
تشریح۔ اس کے حدود و احکام و عقائد۔

المصالح العقلیہ
مولانا اشرف علی کی نادر کتاب جس
میں انھوں نے بڑی تفصیل سے اسلامی
احکام کی حکمتیں اور عقلی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔
کامل تینوں حصے یکجا مجلد۔ ساڑھے چار روپے

دس بڑے مسلمان
حضرت کے جان نثار صحابہ میں
سے دس منتخب صحابیوں کا تفصیلی تذکرہ۔ دلچسپ۔
ایمان افزہ اور روح پرور۔ چھ روپے
وعظ بے نظیر
عظ کے فن میں یہ کتاب بہت مشہور
ہے مضامین مفید اور ایمان آفرین

ایک روپیہ ۲۵ پیسے
تعلیم الدین مکمل اور محبتی
عقائد و اعمال سیاست
سماشرت اور اخلاق و
تصوف کے گونا گوں پہلوؤں پر جاوی مولانا اشرف علی کی
یہ شہرت یافتہ کتاب تصحیح اور روشنی طاعت و کثابت
کے ساتھ۔ دو روپے پچاس پیسے

مجموعہ دلائل الخیرات
حاشیہ تفصیل و
مع حزب البحر و قصیدہ بردہ مستحکم
ترجمہ شاہ ولی اللہ
کے طریق کی تعلیم اور دیگر مفید مشتملات۔ تین روپے۔
مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر
مولانا تقی امینی کے
اشرف نگار قلم سے اجتہاد
کی حقیقت اس کے مفہوم کی دعوت اسکی ضرورت اور اسکی شرائط
وغیرہ کی تشریح و توضیح۔ مجلد تین روپے۔

ہندی دفتری مراسلات و کاغذات
ان حضرات کے
لئے خاص تحفہ
جو کسی دفتر میں ہندی خط و کتابت اور ہندی کاغذات کو پڑھنے
اور ان کا جواب دینے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔
قیمت دو روپے۔

مقالات امینی
اجتہاد فقہ جدید کو مانور نہ کرنے کی
ضرورت اور فقہ کے اجتماعی مسائل
پر مولانا تقی امینی کے چند قیمتی مقالات۔ ڈیڑھ روپیہ
مقامات تصوف
جامعہ عربیہ آئندہ (جرات) کے
شیخ الحدیث کی ایک وقیع
کتاب اس میں تصوف کے مختلف سلسلوں کے ذکر بیان

ملا ابن العرب کی

مسجد سے نیکو

آئینے پر تاؤ مت کھاؤ!

لگا کر کہنے لگی کہ ملا گدھے کیا اتنے پستہ قد جن بھی تم نے سنے ہیں جنھیں فقط دس گیارہ فٹ اونچی کارنس تک ہاتھ پہنچانے کے لئے اسٹول کی ضرورت ہو!

الماری کا جائزہ لیا تو اس کا کاٹھ کباڑ بھی ننھے سے بول رہا تھا کہ آج کسی نے مجھے الٹا پٹا ہے۔ کاٹھ کباڑ سے مراد موٹروں کے پڑانے پر زے نہیں۔ اپنا کاٹھ کباڑ تو رسالوں، اخباروں، کتابوں، ڈبوں اور شیشوں وغیرہ سے عبارت تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ آج کسی اللہ کے بندے یا بندری نے خانہ تلاشی کی خدمت انجام دے ہی ڈالی ہے۔ خانہ نہہا کمرے کو نہیں کہتے۔ مگر جس زمانے کا یہ ذکر ہے اس وقت اپنا سارا گھر بار بس ہی ایک کمرہ تھا اہل خانہ کہہ لینے میں گناہ تو نہیں۔ ویسے محاورے سے آپ کو کہہ دو تو کمرہ تلاشی کہہ لیجئے۔ یہ پتہ نہ چل سکا کہ تلاشی کے نتیجے میں کچھ چوری بھی ہوئی یا جو غریب خالی ہاتھ گیا۔ یہ بالکل نظر نہ تھا کہ وہ مال دال پھرانے تو آیا نہیں تھا، بلکہ یا تو کوئی کتاب یا رسالہ اسے مطلوب تھا یا پھر کوئی کاغذ۔ یہ بات نہ ہوتی تو سب سے پہلے اس کی توجہ کمرے کے کس بنت آگے تھیں اپنی جگہ سے نہیں ہلاتھا۔ اس کا فضل بھی چوں کا توں تھا اور فضل کے عین نیچے رکھے ہوئے چیل واضح کر رہے تھے کہ فضل کھولنے کی بھی پوشش نہیں کی گئی ہے ورنہ چیل اپنی جگہ سے ضرور ہٹتے۔

میں نے کھڑکی پر نظر ڈالی کہ مبادا وہ ٹھسلی رہ گئی ہو۔ دروازے کے سوا بس ہی ایک راہ مگرے میں داخلے کی

تشویش تو خیر کیا ہوتی۔ حیرت ضرور ہوتی تھی یہ دیکھ کر کہ اسٹول اپنی معینہ جگہ سے ہٹ کر تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر پہنچ گیا ہے۔ ابھی چند ہی گھنٹے پہلے تو میں اسے اسی جگہ رکھا چھوڑ گیا تھا جہاں یہ معمولاً رہتا ہے۔ معمول ہی کے مطابق اس پر میں نے ٹوٹا بھی رکھ دیا تھا۔ مگر اب جو فضل کھول کر تجلی روشن کرتا ہوں تو ٹوٹا زمین پر رکھا ہوا ہے اور اسٹول چل کر اس کارنس کے نیچے پہنچ گیا ہے جس پر پرہیز اخبارات و رسائل ڈھیر تھے۔ یہ کارنس اتنی ہی اونچی تھی کہ خود میں بھی اسے اسٹول یا کرسی ہی کے ذریعے استعمال کرتا تھا مگر اتنا کابل تو میں کبھی بھی نہیں رہا کہ جو چیز جہاں استعمال کروں وہیں چھوڑ دوں۔ اور پھر آج تو میرے استعمال کی نوبت ہی کہاں آئی تھی۔ قطعی طور پر یہ یاد تھا کہ عصر کا وضو کر کے ٹوٹا اسٹول پر رکھا تھا اور اسٹول اپنی قدی جگہ پر چھوڑ گیا تھا۔

پھر بھلا یہ چکر کیا ہوا؟ کہیں جن صاحبان تو قدم رنجر نہیں نہر یا۔ عین ممکن ہے کہ ملا بد بخت کی تنہائی پر انھیں ترس ہی آ گیا ہو۔ عین ممکن ہے اب وہ گرم گرم کھائیاں، ترانر کھانے اور کھنا کھن روپے بھی لا کر دیا کریں۔ عین ممکن ہے مجھے نوکری اور ٹیوشن کی گھس گھس سے فراغت نصیب ہو ہی جائے۔

یہ خوش کن خیالات بگولے کی طرح کھو پڑی کی تہہ سے اٹھے اور کوندا بن کر تھوڑی دسعتوں میں لہرائے مگر فوراً ہی بنائے کی طرح بیٹھ بھی گئے۔ بیٹھا اس لئے گئے کہ عقل بد بخت بیچ میں آ کر کھڑی ہو گئی اور کسی فلم کے دیلن کی طرح مگر وہ تہہ تہہ

سائے میں فرق کرنا بھول جاؤ گی۔ وہ کم سے کم یہ جواب ضرور دیتی کہ خدا تمہیں سمجھے۔ جب دیکھو مولویت گھارتے ہو کبھی یہ نہیں کہتے کہ چل فرود بخت تجھے فلاں ٹھیل دکھلا لاؤں۔

بہر حال یہ غیر ممکن نہیں تھا کہ مکہ تلاشی کی حرکت فرود سبہ ہی کی رہی ہو۔ ویسے غالب گمان میاں الیاس کے بارے میں تھا۔ وہ بہن کے مقابلے میں زیادہ آسانی سے میرے نقل کی کئی بنوا سکتے تھے یا ممکن ہے گھر ہی کی کنجیوں میں کوئی کئی ایسی رہی ہو۔

مگر مقصد؟

حکومت دونوں میں سے کسی کی بھی ہی ہو۔ یا فرض کرو مشترکہ ہو مگر مقصد کیا تھا اور دیا جا سکتا تھا۔ میں ملک کا سفیر یا کسی سفیر کا اتاشی تو تھا نہیں کہ ایک دشمن ملک کے جاسوس میرے کمرے سے قیمتی فائل اڑا لینے کی فکر کرتے۔ میرے کمرے کا زینہ بھی گھر ہی میں تھا اس لئے یہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ باہر کا کوئی آدمی رات کے دس بجے سے بھی پہلے یہاں داخلہ کا تصور تک کر سکے گا۔ یہ جرات تو کوئی گھر ہی کا آدمی کر سکتا ہے۔ گھر کے آدمیوں میں ایک خاندان تھا ایک اس کی بیوی۔ ایک خالہ صقیہ۔ باقی الیاس اور فرود سبہ۔ خالہ صقیہ تو قریب قریب نابینا ہی تھیں۔ بس برائے نام سا نظر آتا تھا۔ خاندان بڑا نامازی تھا اور اس کی بیوی نہایت فرخندہ سیرت۔ پھر الیاس یا فرود سبہ کے سوا کون میرا نقل کھولنے کی جرات کر سکتا تھا۔

مگر کیوں؟

اسی اُدھیڑ میں نصف گھنٹہ گزر گیا۔ دس بج چکے تھے الیاس اور فرود سبہ ابھی سوئے نہ ہوں گے یہ سوچ کر میں نیچے پہنچا۔ خالہ مصلیٰ پر نظر آئیں۔ الیاس کے کمرے میں روشنی نہیں تھی۔ فرود سبہ اپنے کمرے کی مسہری سے ٹیک لگائے کتاب پڑھ رہی تھی اس کے کمرے کا دروازہ بند نہیں تھا۔ میں نے باہر ہی سے سوال کیا:-

”کیا الیاس میاں ابھی تک نہیں آئے؟“

ہو سکتی تھی۔ مگر چٹختی تو اندر سے سب معمول چڑھی ہوئی نظر آئی۔ پھر تو یہ ناممکن تھا کہ کوئی کارکن باہر سے چٹختی کھول بھی لے اور روانگی کے وقت باہر ہی سے اسے چڑھا بھی جائے ثابت ہو کہ چور نے باقاعدہ کنجی سے کمرے کا نقل کھولا ہے اور پھر باقاعدہ ہی بند کیے کے رفو چکر ہوا ہے۔

میں کچھ دیر کمرے کے تمام سارو سامان کا طائرانہ سا جائزہ لیتا رہا۔ ہر وہ چیز موجود نظر آ رہی تھی جو مجھے یاد تھی۔ یہاں تک کہ وہ دس کا نوٹ بھی اپنی جگہ نظر آیا جو الماری میں رکھے ہوئے کھلے منہ کے ڈبے میں پڑا تھا۔ ہو نہیں سکتا کہ الماری کی کتابیں اور رسائل کو الٹ پلٹ کرنے والے یا والی کی نظر اس پر نہ پڑی ہو۔ کتابوں اور رسالوں کے جائزے کا یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کی کوئی جامع فہرست حافظے میں محفوظ نہیں تھی۔ پھر ہوتی بھی تو کون سے نوادرات اس میں مندرج ہوتے جن کے چوری چلے جانیکا اندیشہ مجھے جائزے کی درد مری پر آسکتا۔ وہی معمولی قسم کی کتابیں اور رسالے جو کسی بھی نگار کی سطح کے نو جوان سے ردی کے بھاؤ خریدے جا سکتے ہیں۔ یہ اللہ کا بندہ یا بندی اگر ویسے ہی مجھ سے فرمائش کر دیتے کہ فلاں فلاں کتاب اور رسالے ہمیں عنایت کر دیجئے تو بندہ تو دل ہی دل میں خوش ہوتا کہ چلو کب اڑھی کچھ کم ہوا۔

”بندی“ کا امکان میرے بھیجے کے افاق پر بار بار

اس لئے طلوع ہو رہا تھا کہ دو نیک نختوں کے سوا اس حرکت میں کسی تیسرے نیک بخت کی شرکت ممکن ہی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میاں الیاس یا فرود سبہ۔ فرود سبہ لڑکی تھی اور لڑکیوں سے یہ امید کم ہی ہو سکتی ہے کہ وہ نالے کھول کھول کر لڑائی لیتی پھریں۔ مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ اگر وہ رینگے ہاتھوں پاؤں بھی لی جاتی تو کیا اسے یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ میلا پولیس بلا لائے گا۔ وہ تو بڑے اطمینان سے کہہ دیتی کہ ملتا بھاتی میں جاسوسی کی مشق کر رہی ہوں۔ میں بہت کہتا تو یہ کہتا کہ فرود نیک بخت فلمیں دیکھنا کم کر دو اور نہ آدمی او

”نہیں۔ کیوں؟“

”ویسے ہی۔ خیر پھر سہی۔“

یہ کہہ کر میں واپسی کے لئے پلٹا تھا کہ فردوسیہ کتاب بند کرنے پر توجہ دے ہوئی۔

”ارے تو آؤ نا۔ بھاگے کہاں جا رہے ہو۔“

”بس تم پڑھو۔ میں یوں ہی اُٹھ آیا تھا۔“

”اُٹھ آئے تھے تو اب بیٹھو۔ کتاب تو میں اسی لئے پڑھ رہی تھی کہ وقت کاٹے نہیں کھتا۔“

”جاسوسی ناول ہوگا؟“

”نہیں کالج کی کتاب ہے۔ مگر یہ آنہونی کیسے۔ تم تو ٹیوشن سے لوٹ کر اپنے کمرے ہی میں بیٹھ رہے ہو۔“

”آج ایک عجوبہ تلواریں لکھا ہے۔ تم تو سمجھ ہی رہی ہوگی۔“

میں نے مسکرا کر کہا۔ میری نظریں اس کے چہرے سے دلی کیفیات پڑھ لینے کی سعی نامعلوم کر رہی تھیں۔ وہ چونکی۔

”کیسا سمجھنا۔۔۔“

”بس نوبت۔ میں مانتا ہوں کہ تم جاسوسی کے فن میں خاصی آگے جا رہی ہو۔“

”اے وا۔ کچھ پی کر آتے ہو کیا۔“

”خیر اعتراف نہ کرو۔ مگر مقصد تو ضرور دیا کروں گا۔“

”کس چیز کا مقصد؟“

”خانہ تلاشی کا۔ تمہارے سوا کوئی یہ شہزادت کر سکتا ہے۔“

اس کے چہرے پر حیرت پھیل گئی۔ یہ اداکاری ہرگز نہیں تھی۔ اب وہ مجھے اس طرح گھور رہی تھی جیسے میرے ماتھے پر

گو بھی کاتھیت آگ آیا ہو۔

”بورمٹ کرو ملا بھائی۔ میں جانتی ہوں تم نے بی بی آڑنے میں طاق ہو۔ پہلے یہ بتاؤ چاہے بیوگے یا کافی؟“

”میں دو منٹ سے زیادہ یہاں نہیں بیٹھوں گا۔ میاں ایسا آجاتیں تو اوپر بھیج دینا یا مجھے خبر کر دینا۔“

”اے وا۔ کوئی آفت آ رہی ہے یہاں بیٹھے میں۔“

— ارے نظیرن۔ کیا سو گئی؟

اس نے بلند آواز سے کہا۔ نظیرن خانسامہ کی بیوی کا نام تھا۔ وہ اگلے ہی منٹ آہنچی۔

”دیکھو دو بیبالی چائے۔ ذرا لائٹ۔“

”ابھی لیجئے۔“

”ہاں اب بتاؤ کیا عجوبہ ہے۔ ٹھنڈی مت اڑانا۔“

نظیرن کے چلے جانے کے بعد فردوسیہ نے سوال کیا۔

”آؤ دالان میں بیٹھیں۔ یہاں کچھ جس ہے۔“

”وہاں تو خالہ مصطفیٰ جمائے ہوئے ہیں۔ مگر یہاں جس

کہاں۔“

”میں تو محسوس کر رہا ہوں۔ کم سے کم یہ کھڑکی تو کھول

ہی دو۔“

سچی بات یہ ہے کہ کرسی مجھے کاٹ رہی تھی۔ ہزار بے

تکلفی بھی مگر یوں اس کے سونے کے کمرے میں بغیر خالہ کے بیٹھنا

مجھے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ دائرہ ہی پر خدائی رحمت ہو یہ نہ ہوتی

تو مضائقہ نظر کچھ بھی نہ تھا۔ جس روشن تہذیب نے ہم مومنوں

کو دائرہ صاف کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے اس کے خیر کن اُجالے

میں تو آدھی رات کے وقت لڑکیوں اور لڑکیوں کا سینہ بسینہ

اور بغل دنگل ہو کر ناچنا بھی مضائقے کی پرچھائیں تک سے خالی ہوتا

ہے۔ مگر ہائے یہ دائرہ ہی جو ابھی اگرچہ برائے نام ہی نکلی تھی

مگر اس کے ننھے ننھے بالوں کی جھڑپیں شاید ان فرسودہ عقائد

کی تہ میں آتری ہوئی تھیں جنہیں میری ماں نے اپنے دودھ میں آمیز

کر کے میرے حلق سے اتارا تھا اور یہ دودھ آج بھی میری رگ

رگ میں بہ رہا تھا۔

فردوسیہ نے کھڑکی کھول دی۔ خالہ صبیحہ کا مصطفیٰ کھڑکی سے

تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ ان کی نظر کمزور تھی مگر یہ تو دیکھ ہی

سکتی تھیں کہ کمرہ بند نہیں رہ گیا ہے۔ ویسے کمرہ بند ہی رہتا

تنب بھی انھیں اعتراض کی مجال نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ اس

گھر کی سربراہ نہیں تھیں ان کی حیثیت تو فقط ایک بے آسرا

بیوہ کی تھی جسے ازراہ تہذیب گھر میں رکھ لیا گیا ہو۔

”ہاں تو بتاؤ کیا عجوبہ پیش آیا؟“

”یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔ خیال گذرا تھا کہ کہیں حضور کو تو کوئی شرارت نہیں سوچھی۔“

”مجھے ا۔۔۔ کچھ نشے میں تو نہیں ہو بھیا ڈیر۔ ایسا بھلا کیوں خیال گذرا تھا۔“

”دیوانگی۔ میں نے سوچا ہو سکتا ہے تم نے کوئی تازہ جاسوسی غلم دیکھی ہو اور۔۔۔۔۔“

”خدا تمہیں سمجھے۔ کیا مجھے بالکل ہی چنگی تصور کرتے ہو۔“

”تم نے نہیں تو پھر یہ حرکت الیاس میاں نے کی ہوگی۔“

”ہائے اللہ۔ انھوں نے کیوں کی ہوگی۔“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ دوڑا بھی اس وقت

اسی لئے آیا تھا کہ الیاس میاں سے پوچھ دیکھوں ورنہ رات بھرا لٹھن رہے گی۔“

”وہ بھی آتے ہی ہوں گے پوچھ دیکھنا۔ مگر کہیں وہ

بُرانہ مان جائیں۔ بات تو عجیب ہی سی ہے۔“

”کیا تم نے برامانا؟“ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانک

کر سوال کیا۔

”میری بات اور ہے۔ میں تو اب تک یہی سمجھ رہی ہوں

کہ تم خالی مذاق کر رہے ہو۔“

”فرض کرو میں اپنی سنجیدگی کی قسم کھا لوں۔“

”اللہ توبہ۔ ابھی تو تم خود اعتراف کر رہے تھے کہ

شاید یہ تمہارا وہم ہی رہا ہو۔“

”کر رہا تھا۔ مگر وہم بالکل نہیں ہے۔ سچ کس نے

گھپلا چھایا ہے۔“

”کیا کوئی چیز چوری بھی ہوئی؟“

”کاش ہو جاتی۔ پھر تو معاملہ سیدھا سا تھا کہ کسی پشتیہ

چور نے ہاتھ صاف کیا ہے۔“

”کمال ہے۔ مجھ سے تو قسم لے لو زینے پر آج قدم بھی

رکھا ہو۔“

”قسم کے بغیر مجھے یقین ہے کہ تم سچ بول رہی ہو۔

دریافت اسی لئے تو کیا تھا کہ تم حقیقت کو چھپانہ سکتی۔“

”پتہ نہیں پیش آیا بھی ہے یا میرا وہم ہی ہے۔“

”معمرت بناؤ۔ میرا دماغ آج کل ویسے ہی الجھا ہوا

رہتا ہے۔“

”اوہو۔ کیوں؟“

”بس ویسے ہی۔ اب ساری باتیں تم سے کہہ دینے

کی تھوڑی ہیں۔“

”بجائتی ہو۔ میں اصرار نہیں کروں گا۔ لیکن جو میں

خود میں بھی کسی روز سے کر رہا ہوں کہ تمہارا موڈ اتنا اچھا نہیں

ہے جتنا وہ ہمیشہ رہا کرتا ہے۔“

”جھوٹ بولتے ہو۔ اگر محسوس کر رہے تھے تو پوچھا

کیوں نہیں؟“

”بھول گئیں تم۔ پرسوں ہی میں نے تم سے سوال

کیا تھا کہ کیا بات ہے فکر مند سی نظر آ رہی ہو۔“

”وہ تو بالکل رسمی سا سوال تھا۔ تم اگر پوچھنے کی طرح

پوچھتے تو میں ضرور بتاتی۔ میں خود سوچ رہی تھی کہ موقع ملے

تو تم سے کھل کر بات کروں۔“

”کوئی بات۔ ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ ساری

باتیں تم سے کہہ دینے کی تھوڑی ہیں۔“

”مجھے جھجک ہوتی ہے۔ وہ موضوع ہی کچھ ایسا ہے

خیر اسے تو بعد میں دیکھا جائے گا پہلے تم بتاؤ کس نئے

واقعے کا ذکر کر رہے تھے؟“

”اے وہ کچھ نہیں۔ مجھے وہم سا ہوا تھا کہ کسی نے میرے

مکرمے کی تلاشی لی ہے۔“

”تلاشی۔ تمہارے مکرمے کی“ اس کی آنکھیں حیرت

سے پھیل گئیں۔

”کہانا۔ شاید میرا وہم رہا ہوگا۔“

”کیا نالا دلنا بھول گئے تھے؟“

”نہیں۔ نالہ تو بند ہی ملا ہے مگر اتنا کچھ ایسے ہی

پائے گئے ہیں جیسے کسی نے نالہ کھول کر کچھ تلاش کیا ہو اور

پھر نالہ لگا کر واپس ہو گیا ہو۔“

”کون ہو سکتا ہے۔ اسے چھوڑ دو تمہیں وہم ہوا ہوگا۔“

”اب میری توہین کیوں کر رہے ہو۔ چھپانا ہو تو میں بڑے سے بڑا رازد توں چھپا سکتی ہوں۔“

”خیر آئی ایم سواری۔ یہ بتاؤ کیا ایسا میں روز آتی ہی رات گئے تک باہر رہتے ہیں؟“

”پہلے تو نہیں رہتے تھے مگر اب کچھ دنوں سے اکثر دیر ہی میں آتے ہیں۔“

”تم نے پوچھا نہیں کہاں مقصود ہو جاتے ہیں۔“

”پوچھا تھا۔ جو اب معقول ملا۔ کہتے ہیں کہ ہنریٹینس کلب کے ممبر بن گئے ہیں بس وہیں دیر ہو جاتی ہے۔“

”ماشاء اللہ۔ طالب علمی کے دور میں کلب کی ممبری۔ جانتی ہو ہنریٹینس کلب کس چڑیاکانا ہے۔“

”مجھے کیا معلوم۔ سنا تو ہے کہ بڑا ہائی کلاس ہے۔“

”ٹھیک ہی سنا ہے۔ وہاں شہر کا کھن پھینتا ہے۔ مگر تم انھیں سمجھاؤ تعلیم پوری کرنے سے قبل کلب بازی مناسب نہیں۔“

”میں سمجھاؤں۔ ارے میں ان کی بڑی ہوں کیا۔ تم سمجھاؤ۔“

”میں بھی سمجھاؤں گا۔ مگر میرا کوئی نفسیاتی دباؤ تو ان پر نہیں پڑے گا۔“

”دباؤ کے بغیر بھی وہ تمہیں بہت مانتے ہیں۔ تم اگر عرض ان سے کچھ زیادہ بڑے ہوتے تو شاید وہ تمہیں مرحوم ابامیاں کی جگہ سمجھ لیتے۔“

نظیرن گراگرم چائے لے آئی۔ گھڑی کی سوئی گیارہ کی خبر لارہی تھی۔ خالہ ضحیہ مصلے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں جا چکی تھیں، مگر جاتے جاتے یہ ضرور کہہ گئی تھیں۔

”بیٹیا آج سونے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟“

”آپ جا کر آرام کیجئے۔ بیٹا ابھی کہاں آئے ہیں۔“

”وہ تو اب روز ہی دیر سے آنے لگا ہے۔ کہنا تو ذرا کہ روز روز دیر کرنا اچھا نہیں۔“

”آپ اپنے کام سے کام رکھئے۔“ فردوسہ نے ایسے خشک لہجے میں کہا کہ خود مجھے گمراہ گنڈا تھا خالہ کو تو کیوں نہ گذرا ہوگا

انھوں نے جواب کچھ نہیں دیا مگر پل بھر خاموش رہ کر مجھ سے کہنے لگیں۔

”تم بھی بیٹا آج جاگ ہی رہے ہو۔“

”ارے تو تم ٹھیکے دار ہو کیا۔“ فردوسہ جھلا گئی تھی۔

”بس خالہ میں چلنے پی کر چل ہی رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو آپ بھی بی لیں۔“

”نہیں بیٹا مجھے تو رات بھر نیند ہی نہیں آئے گی اگر دو گھنٹہ بی بی لے۔“

”اب آپ آرام کیجئے خالہ جان۔ میں نئی بار سمجھا چکی ہوں کہ دوسروں کے معاملات میں دخل مت دیا کیجئے۔“

”اری بیٹا میں نامراد دخل کب دیتی ہوں۔ بس کر لیں دو باتیں۔“

وہ چلی گئیں تو میں نے سرد لہجے میں کہا۔

”تمہارا یہ طرز عمل مجھے اچھا نہیں معلوم ہو فردوسہ وہ آخر تمہاری خالہ ہیں۔“

”سگی خالہ نہیں ہیں۔ سگی بھی ہوتیں تو دخل در معقولات میں گوارا نہیں کر سکتی۔“

”معقولات اس وقت کہاں دھرے تھے معلوم ہوتا ہے تمہارا ذہن کسی خاص الجھن سے بہت زیادہ متاثر ہو گیا ہے ورنہ اتنی شعلہ مزاج تو تم ہرگز نہیں تھیں۔“

”ہو سکتا ہے تم درست ہی کہہ رہے ہو۔“ اس نے کچھ ایسے انداز میں کہا جیسے کسی اور ہی خیال میں کم ہو گئی ہو۔ اس کے ہونٹ پیالی کے کنارے پر تھے اور نظریں فرش زین پر۔ اس کا چہرہ سوچ کے اس انداز میں غیر معمولی طور پر دلکش نظر آ رہا تھا۔

”بڑی حیرت سے ملا بھائی۔ تمہارے کمرے کی تلاشی جھلا کوئی کیوں لے سکتا ہے۔“

اس نے دفعتاً پہلا ہی موضوع چھڑا۔ ”یہ بھی یقینی ہے کہ اگر واقعی تمہیں غلط فہمی نہیں ہوتی ہے تو پھر باہر کے کسی آدمی پر شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ تم بیوشن پر وہی سناؤ گئے ہو گے اور دس سے پہلے ہی لوٹ آئے ہو گے۔“

سکتا۔“

”مت مانو۔ میں تمہارے خیالات کو سمجھتی ہوں۔ کوئی بات نہیں۔ کل دن سے ہم کام شروع کر دیں گے۔ اب اتنا تو تم بھی مان لو کہ بھیا سے اس معاملے کا تذکرہ ابھی بالکل نہیں کرو گے۔“

”یہ میں نے مان لیا۔ ویسے عقل بالکل کام نہیں کرتی کہ تمہارے بھیا کو آخر کس مراق نے اس مصلحہ خیز حرکت پر آمادہ کیا ہوگا۔ پتا نہیں وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی رہے یا ایووسی ہی کی سامنا کرنا پڑا۔“

”یہ سب ہمیں تمہیں در یافت کرنا ہے۔ جا سووسی کی مشق کے ایسے زہریں مواقع مشکل ہی سے ہاتھ آسکتے ہیں۔ کل اگر تم اپنے آفس سے چھٹی نے لو تو میں بھی کسی بہانے کالج کی چھٹی کر دوں گی۔“

”نہیں بابا اتنی تیز رفتاری نہیں۔ میں کل شام تمہیں کونجی بیکر ٹیوشن پر چلا جاؤں گا۔ ایسا میں شام میں گھر رہتے ہی نہیں ہیں بس اس وقت تم میرا کمرہ کھولنا اور سراغ لگانا۔“

”کیلی کیا خاک لگاؤں گی۔ تم کل ٹیوشن ہی جونا غرہ کر دو۔“

”چلو اس حد تک منظور ہے۔ کمال ہے ایسا میں اب تک نہیں آئے۔ سو اگیارہ ہو رہے ہیں۔“

”وہ آج تو شاید بارہ کے بعد ہی آئیں کہہ رہے تھے کہ کلب میں کوئی خاص پارٹی ہے۔“

”اچھا تو میں چلا۔“

نیند دہجے سے پہلے کیا آتی۔ ایک تو بے وقت چائے پھر ذہنی اُدھیڑوں۔ آخر تک کیا ہے کہ ایسا میں میرے فضل کی کنجی ہتا کرے پھر سامان کر دے۔ وہ کیا چیز ہو سکتی ہے جس کے پانے کی توقع نے اسے اس تجربہ لغویت پر آمادہ کیا ہوگا۔

اور اگر اس نے کچھ نہیں کیا ہے تو پھر کس نے کیلے۔ کیوں کیا ہے۔ کیوں کس نے کس لئے بس یہی الفاظ سیٹیوں کی طرح دماغ میں سج رہے تھے۔ بہت کوشش کی خود کو یہ باور کرانے کی کہ ملا بر خوردار تمہارا ہی حافظہ الٹ گیا ہے۔ تمہی نے اسٹول

”بالکل۔ اسی لئے تو میری جا سووسی کا گھوڑا تمہاری اور تمہارے بھیا کی ذات سے آگے نہیں بڑھا۔“

”میں یا بھیا کیوں ایسا کریں گے۔“ وہ جیسے خود سے پوچھنے لگی۔ میں چپ رہا۔ وہ چائے کا گھونٹ بھر کر پھر بولی۔

”آؤ چلو میں چل کر خود دیکھتی ہوں کہ تمہارے کمرے کے سامان میں وہ کونسی تبدیلیاں ہوئی ہیں جن کی وجہ سے تم یقین کر چکے ہو کہ تلاشی ملی ہی گئی ہے۔“

”اب اس وقت۔“ میں چونکا۔

”پھر کیا حرج ہے۔ تمہاری ہی طرح میرا دماغ بھی ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ گریڈ لگی تو بس لگی۔“

”مگر پہلے ایسا میں سے پوچھ ہی چلیں۔ عین ممکن ہے وہ اعتراف کر ہی ڈالیں۔“

”نا ممکن ہے۔ انہوں نے اگر یہ حرکت کی ہوگی تو قبول کیوں لیں گے۔ میرا تو خیال ہے ان سے ابھی ذکر ہی نہ کیا جائے۔ ہم دونوں اپنی جا سووسی کی صلاحیتیں آزما لیں گے۔“

”مجھے تو کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ میری بلا سے کوئی روز بھی یہی حرکت کرتا ہے تو جھک مارنے دو۔“

”پھر بھاگے کیوں چلے آئے تھے۔“

”بس رفع استعجاب کی خاطر۔“

”اسی کا دوسرا نام دلچسپی بھی ہے۔ اب اٹھو میں ہی وقت سے کام شروع کر دینا چاہتی ہوں۔“

اس کی آنکھوں میں چمک اُبھر آئی تھی۔ چہرے سے غیر معمولی اشتیاق کا اظہار ہونے لگا تھا۔

”نہیں بھئی اس وقت ہرگز نہیں سمجھنے کی کوشش کرو تم بھی نہیں ہو۔“

”ارے پوریت مت پھیلاؤ۔ لڑکیاں تو آج کل باقاعدہ سی آئی ڈی کے ٹکے میں ملازمت کرتی ہیں۔ آدھی آدھی رات کو مجرموں کے تعاقب میں جاتی ہیں۔“

”وہ اور قسم کی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ تم منطق مت بگھارو میں کسی قیمت پر بھی اس وقت تمہاری بات نہیں مان

کام سے چار بجے چھٹی ہوتی تو میں نہادھو کر ٹیلے نکل جاتا۔ جمشید پارک مجھے بہت پسند آیا تھا بس زیادہ تر وہیں جاتا۔ وہاں بیٹھ بھاڑ بھی نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ قلب شہر سے کافی فاصلے پر تھا۔ بس یونہی اکا دکاشا تقابین نظر آتے۔ سورج چھپتے ہی سناٹا ہو جاتا۔

ایک دن اچانک وہاں جھگڑا ہو گیا۔ جھگڑنے والے جا رہے تھے۔ ان کے علاوہ اس پاس کوئی اور نہیں تھا۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ ایک اور تین کا مقابلہ ہے۔ یہ ایک میری طرح مغلوب تھا اور تینوں اسے بے رحمی سے رگید رہے تھے۔ اس غریب کے منہ سے جینیں بھی نکل رہی تھیں۔ میں نے قریب پہنچ کر یوں ہی پوچھ لیا کہ اے بھئی کیا بات ہے؟

بس پوچھنا ہی غضب ہو گیا۔ ایک میری طرف پلٹا اور نہایت مشتعل لہجے میں غرایا۔

”تم کون لاٹ صاحب ہو۔“

”کوئی بھی نہیں۔ مگر یہ کیسی جو انگریزی ہے کہ تم میں اکیلا کو مار رہے ہو۔“

”اچھا۔ تو تم بھی آؤ۔“ یہ کہتے کہتے اس نے بھر پور ہاتھ میرے رخسار پر جڑ دیا۔ سچ جگہ اگر یہ میرے رخسار پر جڑا جاتا تو تائے ضرور نظر آجاتے، مگر میں غافل نہیں تھا۔ بجلی کی طرح ٹرپ کر میں ایک طرف ہٹا اور وہ شخص اپنے ہی زور میں پاس کی آہنی بیچ پر اوندھ گیا۔ اس کا سر ٹرے زور سے بیچ کے ہتھ سے ٹکرایا تھا اور خد کی قدرت دیکھتے اس کا ایک ہاتھ ہتھے اور جائے نشست کے درمیان بنے ہوئے آہنی جال میں اس طرح پھنسا کہ وہ کانٹے میں پھنسی ہوئی چھیلی کی طرح ٹر پتارہ گیا۔ اٹھنے کے دوران اس کے کوٹ کی جیب سے ایک بڑا سا چاقو بھی اچھل کر گھاس پر آ رہا تھا۔ میں نے اس پر قبضہ کرنے میں دیر نہیں لگائی اور کھٹکا واکر اسے کھول بھی لیا۔ چاقو بازی کی مشق تو مجھے نہیں تھی مگر جو ان لہو اس وقت کھول چکا تھا اور خوف کی تیز لہر کٹ مرنے کے شدید جذبے میں تحلیل ہو گئی تھی۔ وار سپرہ کر صبر کرنے کی عادت اگر میسر ہوئی تو باپ کی ڈانٹ ہی نہ پنی جاتا۔

کارنس کے نیچے چھوڑا ہوگا اور تھی نے کسی کتاب یا رسالے کی تلاش میں الٹ پلٹ کی ہوگی۔ مگر بے سود۔ حافظہ تو آج روزانہ سے بڑھ کر جگ مگ کر رہا تھا اور دن بھر کی ساری مصروفیتیں یاد کی لوح پر اس طرح ابھرائی تھیں جیسے فلم میل رہا ہو۔ کوئی آیا ضرور ہے۔ تلاشی یقیناً لگئی ہے۔ یہی آواز بار بار کھوٹری کی دیواروں سے ٹکراتی اور گونج پیدا کرتی پھیلتی چلی جاتی۔

آپ جھلا رہے ہوں گے کہ یہ بک کا قہرہ ملا لے بیٹھا۔ کہاں آج کا ملا ابن العرب مکی اور کہاں نوکری اور ٹیوشن والا یہ ملا جس کی داڑھی بھی برائے نام ہی بتائی جا رہی ہے۔ اب آپ کیا پردہ۔

یہ قہرہ ہے جب کہ آتش جو ان تھا

والد صاحب نے کسی بات پر خوب اٹھا اور بندہ بھاگ نکلا۔ بھاگ کر سوامے۔۔۔۔ کے کہاں جاتا۔ یہاں کے خواب بارہا دیکھے تھے۔ یہاں سے مراد بس نقطہ ہی سمجھ لیجئے۔ نا اس لئے نہیں بتاتا کہ واقعات کے کردار سچے ہیں۔ ان کے نام اگر چہ میں نے فرضی لئے ہیں لیکن جگہ کا نام کھول دیا تو کتنے ہی لوگ اصلی ناموں تک پہنچ جائیں گے۔ یہ اچھا نہیں ہوگا۔ بھاگتے وقت اکٹھ روپے بارہ آنے جیب میں تھے۔ یہ رقم آج نہ ہونے کے برابر سہی مگر اس وقت اتنی حقیر نہیں تھی۔ آج کے معیار سے اسے پانچسو تو سمجھ ہی لیجئے۔ پہلا کھانا ہوٹل میں نے فقط چرانے میں کھایا تھا اور یہ اس کھانے سے بہتر تھا جو آج کل ایک روپے میں ہوتا ہے۔

قیام ایک سراسے نما ہوٹل میں کیا۔ دو میہ چار آنے۔ اسی میں چار پائی کا کر ایہ بھی شامل تھا۔ پانچ چھ روپے میں ریڈی میڈ بستر بھی ہوتا ہو گیا۔ اب تلاش ہوئی نوکری کی۔ پہلے تو مسجد کی امامت کی طرف تخیل گیا۔ مگر یہ سوچ کر کہ اما یا مؤذن بن جانے کے بعد سینما دیکھنا مشکل ہو جائے گا تخیل کی باگ موڑنی پڑی۔ قسمت سادہ تھی ایک بلاک کمپنی میں ساٹھ روپے ماہوار کی جگہ اس لئے مل گئی کہ چند آٹری تھرھی لکیریں کھینچنے کا برا بھلا ڈھنگ مجھے آتا تھا۔ وہاں ایک اچھے آرٹسٹ نے مجھے اپنا ہاتھ بٹانے کے لئے موزوں خیال کر لیا۔ چلیے کام بن گیا۔

مگر وہ بطور محسن میرا احترام کرتا تھا اور شاید میری ڈاڑھی بھی نفسیاتی سبب رہی ہو۔ لڑائی میں میری شرکت کوئی کارنامہ نہیں تھی۔ یوں کہتے وہ تو شدنی تھی کہ ہو کر رہی مگر ایساں نے سب کو یہی بتایا تھا کہ لا بھائی نے اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر میری زندگی بچائی ہے۔

کچھ دنوں بعد ایساں اور فردوسیہ دونوں کا اصرار ہوا کہ ہسپتال چھوڑ کر ہمیں آسو۔ میں نے معذرت کی مگر وہ نہ مانے میں نے بھی سوچا کہ جلو حرج ہی کیا ہے۔ وقت اچھا گذر جائیگا مگر شرط یہ ضرور کرنی کہ اپنے کھانے کی ایک ماہانہ رقم دیا کروں گا۔ انھوں نے ہر مانا۔ فردوسیہ تو جھلا کر کہنے لگی:-

”رہتے بس ہسپتال ہی میں رہتے۔ ہم کون ہوتے ہیں اپنی بات منوانے والے۔“

”فردوسیہ بانو۔ جہانی دس میں دن کی ہو سکتی ہے۔ میں تو فی الحال مستقل ہی آپ کے شہر میں ہوں۔“

”ہاں جناب اور ہم تو مفلس قلائش ہی ہیں کہ دو وقت آپ کو کھانا کیسے کھلا سکیں گے۔“

”آپ قارون بھی ہوں فردوسیہ بانو بہر حال ہر شخص کے اپنے بھی تو کچھ احساسات ہوتے ہیں۔ کمرے کا کرائیہ سہی کھانے کی واجبی رقم تو یقینی ہی پڑے گی آپ کو ورنہ مجھے معذرت سمجھیے۔“

”چلیے قبلہ ہمیں منظور ہے۔“ ایساں نے بہن کو کچھ اشارہ کرتے ہوئے بات ختم کر دی تھی۔

وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ میں الگ تھلگ رہوں انھوں نے تو نیچے ہی کا کوئی سا بھی کمرہ منتخب کر لینے کی پیشکش کی تھی مگر مجھے زیادہ موزوں یہی معلوم ہو کہ اوپر کی منزل پر تنہا رہا جائے۔ انھوں نے ضد نہیں کی اور بندہ سامان اٹھالایا فردوسیہ اس وقت میٹرک میں پڑھتی تھی اور ایساں سکناڈ ایر میں۔ ان کے والدین عرصہ ہو انتقال کر چکے تھے والد سمر منہاج ایک بڑے ٹھیکے دار تھے۔ خاصا اتنا تہ چھوڑ کر مرے تھے۔ جائیداد کے علاوہ نقد بھی اتنا چھوڑا تھا کہ ایساں اور فردوسیہ مزے سے ایک تین سو روپے کی زندگی

مگر نے والے کی چیخوں اور گالیوں نے باقی دو کو بھی اس کی طرف متوجہ کر لیا اور تمکار کو چھوڑ کر وہ ادھر چلے ایک گھرے ہوئے کو اٹھانا چاہا تو بے حد خوفناک چیخ فضا میں بلند ہوئی کیونکہ ہاتھ تو حال میں پھنسا ہوا تھا۔ دوسرے نے میری طرف رخ کیا مگر کھلا ہوا اچا تو دیکھ کر اس کے قدموں میں لغزش آگئی۔

پٹنے والا جوان اگرچہ ہولناں تھا مگر حریف کی گرفت سے آزاد ہونے ہی وہ اُچھلا اور میری طرف رخ کرنے والے پر ایڑا۔ اب ہم دو تھے اور وہ بھی دو۔ تیسرا بڑے دردناک لہجے میں کہہ رہے جا رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اس کا ہاتھ اتر گیا تھا۔

مگر کہ پانچ منٹ سے زیادہ نہیں رہا۔ وہ دراز اپنے افتادہ ساتھی کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ بس اس طرح پہلی ملاقات ایساں میاں سے ہوئی۔ جی ہاں یہ پٹنے والے جوان ایساں میاں ہی تھے۔ جھگڑے کا تعلق ایک پھلی کہانی سے رہا تھا جس کا تذکرہ یہاں غیر ضروری ہو گا۔

تجلیانی کے باوجود ہم دونوں خستہ حال تو ہو ہی گئے تھے۔ ایساں کی حالت بہت ہی خراب تھی۔ مشکل میٹرک تک آسکا اور پھسکی پکڑنی پڑی۔ غنیمت ہے اپنے گھر ”منہاج منزل“ کا پتہ اس نے ٹیکسی میں قدم رکھتے ہی بتا دیا تھا ورنہ ٹیکسی میں داخلے کے ایک ہی منٹ بعد اسپر بے ہوشی سی طاری ہو چلی تھی اور ٹیکسی جو منہاج منزل پہنچی تب تو وہ مکمل طور پر بے ہوش تھا۔

ڈرائیور کی مدد سے جب میں نے اسے اندر پہنچایا تو کہرام سا جج گیا۔ خانساں، نظیرن، خالدہ صفیہ اور فردوسیہ سب ہال کمرے میں جمع ہو گئے اور مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایساں میاں کے لئے ڈاکٹر آنے سے قبل ہی فردوسیہ نے خود میری چوٹوں پر بھی خاص توجہ دی تھی۔

بہر حال منہاج منزل سے تعلق اس طرح شروع ہوا اور پھر یہ بڑھتا ہی گیا۔ ایساں مجھ سے چند ہی سال چھوٹا رہا ہو گا

گزار سکتے تھے۔

یہ وضاحت تو غیر ضروری ہی ہو گی کہ نوکری ملنے کے بعد میں نے گھر والوں کے نام تفصیلی خط لکھ دیا تھا اور ان کے جواب سے معلوم ہوا کہ اگرچہ والد صاحب صورت حال سن کر خوش تو نہیں ہوئے تھے مگر اتنے ناراض بھی نہیں تھے کہ سیکڑوں میل دور چیت بھیج ماریں۔ ان کی تمنا تھی کہ بیٹا مولوی بنے مسلمانوں کی ساری زندگی گزارے۔ آوارہ مزاجی سے باز آجائے مگر بیٹے کی تو تقدیر ہی لکھیے والے نے ایسی لکھی تھی کہ بقول شاعر۔

بچپن ہی سے لکھی تھی مقدر میں امیری
ماں باپ کہا کرتے تھے دہلیں جگر بند

ٹیوشن کا چکر بھی سن لیجئے۔

”ہائے آرٹس صاحب کے ایک دوست ممتاز علی اپنی صاحبزادی تنویر جہاں کے لئے اردو اور فارسی پڑھائیوائے کسی نیک سیرت ٹیوشن کی تلاش میں تھے اور یہ نیک سیرتی انھیں میری نوخیز داڑھی میں نظر آگئی۔ تنویر جہاں جیسے تو اسکول میں پڑھتی تھی لیکن باپ کی خواہش تھی کہ صاحبزادی میں صحیح صحیح کی قابلیت بھی پیدا ہو۔ شعرواد سے بھی مناسبت اُبھرے۔ بڑی بڑی ڈگریوں والے معلموں کی شہر میں کمی نہیں تھی مگر انھیں ڈگریوں سے زیادہ کیرکٹری تلاش تھی اور کیرکٹریں تنم کا انھیں مطلوب تھا وہ ان کے نزدیک عام تعلیمی حلقوں میں میر نہیں آسکتا تھا۔ تنویر جہاں ان کی اکلوتی لڑکی تھی۔ لاڈلی تو خیر ہوتی ہی مگر لاڈ پیار کے لئے اللہ نے پیسہ بھی بہت دیا تھا۔ لے لے آرٹس صاحب سے جب میں نے یہ سنا کہ ماہوار ڈیڑھ سو ملا کریں گے تو مارے خوشی کے سانس پھول گیا۔

”مگر جناب مجھے تو پڑھانے کی مشق بالکل نہیں ہے کیسے پڑھاؤں گا۔“ میں نے آرٹس صاحب سے عرض کیا۔ وہ چمک کر بولے۔

”میاں مشق و مشق کیسی۔ مزے کرو۔ تم خوش قسمت ہو کہ ممتاز جیسے دریا دل کی نظر میں چڑھ گئے۔ مگر دیکھو ایک باتادوں داڑھی کی لاج رکھ لینا۔ تنویر بڑی شوخ و شنگ لڑکی ہے۔“

”آپ ملن رہیے۔ میں اسے پورا مولوی بنا کر چھوڑوں گا۔“

”مولوی تو خیر تم بھی نہیں ہو۔“ وہ منسے ”ممتاز صاحب تمھاری داڑھی کے دیوالوں سے دھوکا کھا گئے ہیں ورنہ میں خوب سمجھتا ہوں تم جن قسم کے آدمی ہو۔“

یہ انھوں نے طنزاً نہیں بلکہ ازراہ شفقت کہا تھا۔ وہ مجھ پر بہت ہی مہربان تھے۔ انھوں نے ہی ممتاز صاحب سے میری تعریفیں بھی بگھاری ہوں گی۔ غرض تاندار ٹیوشن مل گئی۔ تنویر چونکہ اسکول بھی جاتی تھی اس لئے مغرب کا بعد تعلیم کے لئے ملے ہوا۔ اس کا گھر منہاج منزل سے بہت فاصلے پر تھا اس لئے مجھے عصر کے فوراً بعد روانہ ہو جانا پڑتا۔ دشواری رات کے کھانے کی تھی۔ ابتداءً تو یہ کرنا پڑا کہ ذرا کھانا ساتھ کر کے جانا اور نو بجے کے قریب گھر لوٹ کر کھانا کھانا۔ پھر ممتاز صاحب نے اصرار کیا۔ اصرار نہیں یوں کہتے حکم دیا کہ رات کا کھانا تم یہیں کھا یا کرو گے۔ نیکی اور پوچھ پوچھ۔ کھانا تو میں نے اپنی ان ضروری مگر ہواد ہی تھا جو ممتاز صاحب کے چاہتا۔ پہلے میں تنویر دلشاد اور شاہدہ کے ہمراہ کھانا کھانا پھر پڑھانی ہوتی۔ دلشاد اور شاہدہ ممتاز صاحب کی بہن کے بچے تھے۔ دلشاد کی عمر دس سال ہو گی اور شاہدہ کی گیارہ سال۔ انھیں پڑھانا ابتداءً تو طے نہیں ہوا تھا مگر بعد میں طے کر دیا گیا۔ اس کے بدلے میرا مشاہرہ پورے دو سو ہو گیا تھا۔

تنویر ایک ذہین لڑکی تھی۔ مزاج و مذاق بھی شستہ پایا تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے اپنی بہن تیرہ یاد آجاتی۔ بالکل ویسی ہی آنکھیں ویسا ہی انداز گفتگو۔ تیرہ ہی کی طرح وہ بات کرتے کرتے چھینکنے کے انداز میں منہ ضرور بناتی۔ یہ انداز عام حالات میں مضحکہ خیز ہی محسوس ہوتا۔ لیکن مجھے وہ شاید اس لئے اچھا لگتا تھا کہ وہ میری اپنی بہن کا انداز تھا۔

تنویر کے گھر کی دلچسپیاں بھی ایک مستقل کہانی کے زاویے رکھتی ہیں لیکن آج یہ موضوع سے خارج ہیں۔ آج تو بتانا بس یہ مقصود ہے کہ یہی وہ ٹیوشن تھا جس کا میں ذکر کر آیا ہوں۔

(باقی کے لئے اگلے شمارے کا انتظار فرمائیے)

مجتہ اللہ البالغہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وہ مشہور زمانہ کتاب جو اپنے متنوع مضامین اور مفکرانہ اسالیب کی بنا پر ساری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ عمرانیات۔ سیاست کلام و منطق، فقہ، تاریخ، تہذیب و تمدن بھی طرح کے موضوعات کی جامع۔ ایک کالم میں عربی۔ بالمقابل عام فہم اردو ترجمہ دو جلدوں میں مکمل۔ قیمت غیر جلد بیس روپے۔

(مجلد چوبیس روپے)

اصح السیر

حضورؐ کی سیرت پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں مختصر بھی اور ضخیم بھی۔ متوسط ضخامت کی کتب سیرت میں مولانا دانا پوری کی یہ کتاب اپنا جواب نہیں رکھتی تنگ نظر زبان سلیس پیرایہ۔ اعلیٰ تحقیق۔ ماخذ کے حوالے اور مختلف فیہ واقعات و روایات میں محتاط موازنہ اور تنقید عوام و خواص دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید اور معلومات کثیرہ کا خزانہ ہے۔ دس روپے (مجلد بارہ روپے)

تذکرہ شاہ ولی اللہ

اپنے دور کے امام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا مفصل تذکرہ و تعارف۔ تازہ ایڈیشن تصحیح اور ترجمہ کے ساتھ۔ ساڑھے چار روپے۔ ۲/۵۰

بلوغ المبین

بدعت و شرک کے خلاف اور سنت و توحید کی حمایت میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی شاندار کتاب کا اردو ترجمہ۔ روشن دلائل نفیس تنقیحات۔ قیمت مجلد چار روپے

وجد و سماع

مروجہ عرس و خواہی اور گانے جانے کی شرعی حیثیت پر حرف آخر۔ قیمت ایک روپیہ

تزکیہ نفس

مولانا امین احسن کی معرکہ الآراء تالیف تزکیہ نفس کی حقیقت اور وہ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ ایڈیشن۔ چھ روپے۔ ۶/-

بدعت کیا ہے؟

(بنا ہوا فرسہ ایڈیشن) بدعت و معصیت کے رد میں ایک عظیم کتاب۔ مجلد تین روپے

قرآن اور حدیث

انہا قرآن کیوں ہدایت کے لئے کافی نہیں؟ مولانا مودودی کے قلم سے۔ (ڈیڑھ روپیہ)

تفسیر سورہ نور

انہ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ قیمت چار روپے ۴/-

رد بدعت

انہ افادات ایم ربانی۔ قیمت سو روپیہ ۱۲۵/-

شہدائے بدر

(یعنی یوم الفترقان) پچاس پیسے۔

مسئلہ قربانی علم و عقل کی روشنی میں

مولانا مودودی قیمت ۵۰ پیسے

کیا پردہ ملک کی ترقی میں رکاوٹ ہے؟

پچاس پیسے۔ ۱۲۰/-

مولانا مودودی اور تصوف

مولانا شیخ احمد دور روپے ۲/-

فرعون و کلیم کی داستان کشمکش

چوالیس پیسے۔ ۴۲/-

آداب یارت قبور

اسماعیل شہید۔ ۴۰ پیسے ۲۰/-

ایمان و آزمائش

{اخلاق حسین} تیس پیسے۔

تاریخ خلاف کعبہ

انہ۔ مولانا مودودی ۲۵ پیسے

مولانا عبدالرؤف رحمانی

جب اسلام آکا فرماتا تھا

حدس سوم ۱۲۹ والید ایہ والنہاید جلد سلاسل
ص ۳ و اسنہم مشاہیر الاسلام جلد اول
ص ۲۳ و الحسبہ فی الاسلام۔ لابن تیمیہ
ص ۵۔

یعنی میرے نزدیک قوی ضعیف ہے اور ضعیف قوی ہے۔
کیونکہ قوی کا ظلم کسی ضعیف پر نہ چل سکے گا۔ اور ضعیف اپنے حقوق
و مظالم کی داد رسی میں ضعیف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی قوت بازو
خود حکومت ہے۔ جو اس کے حقوق دلانے میں مددگار اور معاون ہوگی
اس عنوان کے تحت چند واقعات ملاحظہ کیجئے کہ سرکاری افسروں
یاد دوسرے جاہر لوگوں کے خلاف خلفاء کرام نے کس طرح خودی داد
رسی فرمائی ہے۔ اور کس طرح توجہ و انہماک سے رعایا کے عادی
اور قضایا کا فیصلہ فرمایا ہے۔

۱۔ ایک بار حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حضرت عمرؓ تشریف
لائے، "السلامہ علیکم یا امیر المؤمنین" کہہ کر بیٹھ
گئے، جواب نہیں ملا۔ پھر دوبارہ سلام عرض کیا، پھر بھی جواب نہیں ملا۔
سہ بارہ سلام کیا لیکن ایک بار بھی ابوبکر صدیقؓ نے سلام کا جواب
نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ سے کہا، معلوم
ہوتا ہے کہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی وجہ سے
ناراض ہیں، موقع پا کر حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے اس کا تذکرہ
حضرت ابوبکرؓ سے کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا۔ کان
بین یدی خصمان قد فرغت لہما قلبی و سمعی و بصری
وقد علمت ان اللہ سائل عنہا۔

(مستطاب جلد اول ص ۹)

یعنی میرے سامنے مدعی اور مدعی علیہ بیٹھے تھے۔ ان کے

عقال کے خلاف داد رسی کے لئے جس التفات اور
خبر گیری کو اپنا فرض منصبی تصور کرتی ہے، اس کی بنا پر
وہ عمال حکومت پر یہ ذمہ داری عائد کرتی ہے کہ وہ خود جابجا
کر لوگوں کی ضروریات دریافت کریں۔ اور ان کی حاجات
و ضروریات کی تکمیل میں ان کی مدد کریں۔ اور کمزوروں کو طاقتوروں
کے جور و ظلم سے بچائیں۔ کیونکہ مملکت میں ہر قسم کے لوگ ہوتے
ہیں۔ اور طاقتوروں کا اپنے سے کمزوروں پر زیادتی کرنا دنیا
کا ایک عام دستور ہے۔ اور کبھی حکام بھی اپنے ماتحتوں پر یا عام
لوگوں پر مظالم کرتے ہیں۔ ان سب کے سدباب کے لئے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے حاکم بالا اور اؤلوالا صر کو عدل انصاف
کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ رعایا پر ایشان
نہ ہو، اور خوش حالی و اطمینان کی زندگی گزار سکے۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال داد رسی کے پیش نظر یہ ارشاد
فرمایا ہے۔ بلغونی حاجۃ من لا یستطیع ایلا عھا فانہ من
البلغ ذالسلطان حاجۃ من لا یستطیع ایلا عھا ثبت اللہ
قد میہ علی الصراط یوم تزل الاعدام۔

(السیاسة الشریعیہ لابن تیمیہ ص ۱۰)
یعنی جو لوگ اپنی ضروریات و شکایات خود آکر پیش نہ کر سکیں
تو ان کے حالات و حاجات کو دوسرے لوگ بھرتک پہنچادیں تاکہ
ان کے حقوق و ضروریات کا انتظام کیا جاسکے۔ ایسے شفا دہش کرنے
و اے پل صراط پر لغزش قدم سے محفوظ رہیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے بیانگ دل
اعلان فرمایا۔ ان کو یکھندی الضعیف حتی اخذ لہ بحقہ فان
اضغفک عندی القوی حتی اخذ لہ منہ الحق و طبقات ابن سعد

بیانات سننے اور سمجھنے اور ان کے معاملات میں فیصلہ کرنے کیلئے آنکھ، کان، دل سب کو ان ہی کے لئے مصروف کر دیا تھا۔ گویا ہمہ تن منہمک تھا اور سمجھ رہا تھا کہ بروز عشر مجھ سے میری ذمہ داری کا سوال ہوگا۔ اس انہماک اور شغل کے سبب سے مجھ کسی دوسری بات کا خیال و احساس تک نہ ہوا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین غایت توجہ کے ساتھ رہا یا کے معاملات میں دادرسی فرماتے تھے۔

۲۔ اسی طرح حضرت عمرؓ رعایا کے معاملات میں دادرسی کے خیال سے اپنے تمام عمال سے چار شرطیں لیتے تھے۔ اول یہ کہ دربان وغیرہ اپنے دروازے پر نہ رکھے گا۔ دوم یہ کہ لوگوں کی ضروریات و حاجات کی جانب سے ذرا بھی غفلت نہ اختیار کرے گا۔ سوم یہ کہ باریک کپڑا نہ استعمال کرے گا۔ چہارم یہ کہ میدہ اور باریک آٹا نہ کھائے گا۔ ان چاروں شرطوں میں پہلی دو شرطوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو اس کی بڑی قدر تھی کہ لوگوں کے معاملات کا تصفیہ فوراً ہی ہو جائے۔ اور داتا کی کوئی پابندی اور اجازت لینے کی کچھ ضرورت نہ پیش آئے اس قسم کا معاہدہ یا حلف نامہ صحابہ کرام اور انصار وغیرہ کے مجمع عام میں حضرت عمرؓ اپنے عمال سے لیا کرتے تھے۔

کتاب الخراج لابن یوسف ص ۱۱۱ و قاسم الخفاف
دلسیوطی ص ۲ و سیرۃ عمر بن الخطاب ص ۱۱۱

۳۔ حضرت عمرؓ دادرسی کی بڑی فکر اور بہت اہتمام رکھتے تھے۔ فرمانے تھے کہ میں اپنی رعایا کے حالات سے باخبر رہنے اور ان کی شکایات کا ازالہ کرنے لئے خود ہی تمام علاقوں میں دورہ کروں گا۔ اور حاجات و شکایات کی رپورٹ حاصل کروں گا۔ کیونکہ بعض ایسی بھی شکایتیں ہوں گی جنہیں مجھ تک میرے عمال نہیں پہنچاتے ہوں گے، اور اس طرح تمام معاملات مجھ تک پہنچ نہیں پاتے ہوں گے۔ میں آئندہ اگر زندہ رہا تو دو مہینہ شام کا دورہ کروں گا۔ دو مہینہ تک بصرہ کا۔ دو مہینہ تک بصرہ کا، دو مہینہ تک کوفہ کا۔ (سیرۃ عمر ص ۱۱۱) مشہور مشاہیر الاسلام جلد اول ص ۳۹۶ بحوالہ تارخ طبری و شرح صحیح ابی حنیفہ (ابن حنیفہ)

۴۔ حضرت عمرؓ خود اپنی ذات کا احترام تو نہیں چاہتے تھے، لیکن نفسِ خلافت کا وقار ضرور ملحوظ رکھتے تھے، خلاف شان کوئی امر دیکھتے تو صحابہ کو ڈانٹتے سرزنش کرتے۔ درہ بھی چلا دیتے۔ خصوصاً اعمال کے معاملہ میں سخت نگرانی فرماتے تھے ایک بار حضرت عمرو بن عاص امیر مصر کے ایک صاحبزادے نے ایک مصری کو گھوڑ دوڑ میں گھوڑا آگے بڑھانے پر مار دیا۔ تو اس نے مدینہ پہنچ کر حضرت عمرؓ سے شکایت کی، حضرت عمرؓ نے باپ اور بیٹے کی گلہی کا فرمان بھیجا۔ جب خط عمرو بن عاص کو ملا تو صاحبزادے سے پوچھا کہ تم نے کچھ غلطی کی ہے، اس نے کہا نہیں۔ تو فرمایا۔ فما ادا لعمریٰ کتب فیہ

یعنی پچھو عمرؓ تم کو کیوں طلب کر رہے ہیں۔ بہر حال دونوں حاضر ہوئے، تو حضرت عمرؓ نے مصری سے کہا بلالے۔ کیونکہ اس کو بلا وجہ مارا گیا تھا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کو مارا کہ تمہارا ان میں فحہم سب چاہنے لگے کہ بند کر دے، بہر حال جب اس نے از خود بند کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاص سے فرمایا کہ تم نے رعایا کو اپنا غلام سمجھا ہے۔ تو حضرت عمرو بن عاص نے جواب دیا۔ لَمَّا اَعْلَفُوْا وَ كَلِمَاتِيْ فَ كَمْ مَجِيْ اس واقعہ کا کچھ بھی علم نہ تھا۔ نہ میرے پاس یہ وادوسی کے لئے آیا۔ یہ سب ہو جانے کے بعد حضرت عمرؓ نے مصری سے کہا کہ اگر اس سلسلہ میں پھر مجھے شکایت ہو تو پھر میرے پاس آنا۔ مستحق کذا العال جلد چہارم ص ۱۱۱ و مستطرف جلد اول ص ۱۱۱ و مشہور مشاہیر الاسلام جلد اول ص ۳۹۶

۵۔ اسی طرح ایک بار ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس شکایت لے کر آئی کہ میں ایک مسکین عورت ہوں اور صاحبِ اولاد ہوں۔ آپ کے فرستادہ عاقل محمد بن مسلمہ ہمارے یہاں گئے تھے انہوں نے سب کو دیا مجھے چھوڑ دیا۔ آپ نے اپنے غلام پر قار کو بلند آواز سے پکارا۔ اور اس سے فرمایا کہ محمد بن مسلمہ کو ساتھ لاؤ۔ جب وہ حاضر ہوئے تو عمر فاروقؓ نے ان کو پوچھا کیف انت قائل ان ہما لک اللہ عن ہذا یعنی جب خدا تم سے اس مسکینہ کے بارے میں سوال کرے گا کہ تم نے اسے محروم چھوڑ دیا۔ تو تم کیا جواب دو گے؟

مارے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے امیر مصر سے حیرت و تعجب کے ساتھ کہا۔ اَنْصِرْبُهُ وَاِنَّهُ سَوْطٌ كَمَا تَمَّ اِيْكَ شَخْصٌ كَوْتُو كُنْتُمْ مَارْتَهُ هُوَ؟ یہ سخت زیادتی ہے۔ اچھا اٹھو اور اس کا بدلہ دو۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا۔ اس طرح آپ کے عمال بدلہ دیتے رہیں گے تو ان کا رعب جاتا رہے گا۔ اور نظم سلطنت درست طور سے چل سکے گا۔ مجھے موقع دیجئے کہ میں اسے ماضی کروں۔ چنانچہ ایک کوڑے کے بدلے دو دینار پر اس کو راضی کر لیا۔ اور دو سو دینار ادا کر کے جان چھڑائی

(کتاب الفرائض ص ۱۳ و منتخب جلد چہارم ص ۱۷)

دواضح رہے کہ اس زمانے میں دینار کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسی آج پونڈیا اسٹرن کی ہے)

۸۔ ایک بار قبیلہ نجیب کے ایک آدمی کو حضرت عمرو ابن عاصؓ نے کسی جذبہ میں آکر متافق کہہ دیا۔ اس نے کہا جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے۔ آج تک میں نے نفاق کا کوئی کام نہیں کیا۔ یہ مجھ پر تمہمت ہے۔ وہ یہ کہہ کر سیدھے حضرت عمرؓ کے پاس مصر سے مدینہ پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے عمرو ابن عاصؓ کے پاس خط لکھا کہ جب یہ شخص دو گواہ قائم کرے اور تمہارا کہنا ثابت ہو جائے تو تم تھمت کے عوض چالیس دینہ کھانے کے لئے تیار رہو۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کے سامنے دو گواہ پیش کر کے اس نے ماننا چاہا۔ لوگوں نے سفارش کی کہ حضرت عمرو بن عاصؓ نے تناوان کے طور پر مال دینا چاہا انہوں نے کہا۔ لو صدق لى هذا الكمينه ما قبلت

اگر تم دیناروں کی تھمتی بھی دو تو مجھے منظور نہیں۔ آخر حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس کو کوڑہ دیدیا۔ اور بدلہ دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ تب اس نے کہا کہ اے حاکم وقت اب کہو کیا تمہارا حصہ و اقتدار مجھے کوڑہ برسانے سے روک سکتا ہے۔ عبد ابن عاصؓ نے بیچارگی سے کہا کہ نہیں اے بندہ خدا۔ میں حق کے سامنے بے دست و پا ہو گیا۔ تم گرگزر دو جو کچھ تمہیں کرنا ہے۔ اب وہ شخص مسکرایا اور کہنے لگا کہ جاؤ اب میں نے معاف کیا۔ (سیرت عمرؓ ص ۱۷)

۹۔ ایک بار امیر بصرہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے خلاف ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ انھوں نے مجھے تنکوٹے

حضرت محمد بن مسلمہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تم کو اچھا سمجھ کر اس عہدہ پر مامور کیا تھا خیر اب جاؤ اور اس مسکینہ کو جو رنج پہنچا ہے۔ اس کی تلافی کرو یہ کہہ کر عورت کو ایک اونٹ غلہ اور زیتون لہو و اگر عنایت کیا اور فرمایا کہ اس وقت ہم سفر میں ہیں۔ تم خیر میں آکر ہم سے ملو۔ حضرت عمرؓ سے وہ عورت خیر میں پھر آ کر ملی تو مزید اونٹوں بہر غلہ لاد کر عنایت فرمایا۔ اور کہا کہ عنقریب تمہارے علاقہ میں محمد بن مسلمہ جانے والے ہیں۔ یہ تمہارے ہر سال کا حق ادا کیا کریں گے۔ (کتاب الاموال ص ۵۹)

۱۰۔ ایک بار کچھ رعایا نے عمال کے خلاف شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ موسم حج میں سب حاضر ہوں اور پھر نہایت دلنوی سے کہا کہ اے لوگو! بحیثیت رعایا کے تمہارا فرض ہے کہ عامل کے ساتھ ہر معاملہ میں تعاون کرو، اور عمال سے فرمایا کہ تم پر رعایا کے معاملات میں تحمل و نرمی اور برداشت لازم ہے۔

(احیاء العلوم جلد ۳ ص ۱۸۱)

اسی طرح حضرت عمرؓ نے موسم حج میں اعلان کر لیا۔ اور ایسا اعلان ہر موسم حج میں ہوتا تھا کہ اگر میرے عمال و حکام اور افسران سے کوئی شکایت ہو۔ انھوں نے کسی کو ستایا ہو یا ان سے ناجائز طور پر کچھ وصول کیا ہو، یا کسی کو مارا پیٹا ہو تو مجھے فوراً آگاہ کیا جائے۔ میں ان کا قصاص اور بدلہ دلاؤں گا حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا کہ اگر رعایا کی تادیب و تعزیر کے لئے کچھ کوڑے مارے جائیں تو کیا پھر بھی آپ بدلہ دلائیں گے۔ فرمایا۔ ضرور بدلہ دینا پڑیگا۔ میں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کو بدل لینے کے لئے خود پیش کر دیا تھا۔

(السیاسة الشرعية لابن تیمیہ ص ۲۱)

(افادہ) یہ بدلہ وغیرہ اس وقت ہے۔ جب کہ والی و حاکم اپنی رعایا کو ناجائز طور پر مارے۔ لیکن جن شرعی صورتوں میں ضرب و تادیب ضروری ہے۔ اس میں قصاص نہیں ہے۔

(کما قال ابن تیمیہ)

۱۱۔ ایک بار امیر مصر حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ انھوں نے مجھے تنکوٹے

عمر فاروقؓ کا فرمان میرے پاس آچکا ہے۔ کہ درمیان سال میں اسی مال کی دوبارہ چنگی نہ لیا کرو۔ وہ عیسائی اس کمال عدل پر فخر یافتہ ہو گیا۔ کہ اس قدر جلد داد دے سکی کہ مجھ سے پہلے ہی میرے معاملہ میں فرمان پہنچ گیا عیش عیش کرتا ہوا بلا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نصرانیت سے توبہ کر کے اس دین میں داخل ہوا ہوں۔ جو اس فرمان دینے والے کا دین ہے۔ (کتاب المہاجر ص ۱۷۱) ائراة الحفاه للشیخ ولی اللہ

۱۱۔ ایک بار جبکہ بن آدم عسائی بادشاہ طواف کعبہ میں مشغول تھا۔ قبول اسلام کے باوجود ابھی اس میں وہی پہلی خوبوختی۔ اتفاق سے اس کے لیے دو سالہ کسی کو نہ پر ایک غریب مسلمان کا پاؤں پڑ گیا۔ اس نے طرارے میں آکر اسی بیچلے کے منہ پر اس زور کا ٹھپھر سید کیا کہ اس کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ اس نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے جبکہ کو طلب کیا۔ اور فرمایا کہ تم نے اس کی آنکھ پھوڑی ہے۔ لہذا اس کے بدلے میں تمہاری آنکھ پھوڑی جائے گی۔ یہ سنتا تھا کہ جبکہ کے ہوش اڑ گئے گھبرا کر کہنے لگا۔ اَدْعِیْنَهُ مَشْکُ عَیْنِیْ وَکَیَا اس بدو کی آنکھ میری آنکھ کے برابر ہے۔ اے امیر المؤمنین وہ تو فقط ایک معمولی دیہاتی ہے۔ اور میں ایک بادشاہ ہوں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے جبکہ! دائرۃ اسلام میں داخل ہونے کے بعد سب برابر ہیں۔ جبکہ نے جواب کے لئے مہلت طلب کی، اور اس مہلت میں بھاگ کر رومیوں کے علاقہ میں چلا گیا اور وہاں جا کر نصرانی ہو گیا۔ پھر اپنے ساتھ مزید پانچ سو فرجی آدمیوں کو لے کر بھاگ نکلا۔ فاروق اعظمؓ نے ایک بدو کی آنکھ کا انصافاً جو حق تھا۔ اس حق کی حفاظت میں کسی مالکا نقصان اور مصلحت کی پروا نہیں کی۔ حضرت عمرؓ اس وقت رعایت فرما جاتے تو اسلام کی تاریخ داغدار ہو جاتی، بلا سے ہزار جبکہ اسلام سے نکل جائیں۔ مگر اسلام کمزور کی فریاد ہی اور طاقتور کا سحر سب ضرور کرے گا۔ جبکہ کھر کی طرف لوٹ گیا۔ مگر فاروق اعظمؓ کی عدل گستری تاریخ کے صفحات پر ایک

میرا حصہ کم دیا تھا۔ اس لئے میں نے لینے سے انکار کر دیا، اس پر انھوں میرے بیس کوڑے رسید کر دیئے، اور میرا سر منڈوا دیا، حضرت عمرؓ نے فرمان لکھ کر بھیجا کہ اے ابو موسیٰؓ! تم قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ اگر تم نے اس شخص کو مجھ سے جمع میں مارا ہے تو مجھ سے جمع ہی میں بدلہ دینا ہو گا۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری فرمان ملتے ہی بدلہ دینے کے لئے بیٹھ گئے۔ اس منظر کا اس شخص کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے معاف کر دیا سوہرہ منتخب کنز العمال جلد ششم ص ۱۷۱ وسیدۃ عمر بن الخطابؓ

حق یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے کمال تدبیر و کمال عدل کے سبب ان کے تمام عمال خواہ خالد بن ولیدؓ فاتح عراق و عرب ہوں۔ خواہ عبیدہ بن جراحؓ فاتح شام ہوں۔ خواہ عمرو بن عاصؓ فاتح مصر ہوں۔ خواہ سعد بن وقاصؓ فاتح مملکت فارس ہوں، حضرت عمرؓ سے اتنا ڈرتے تھے۔ جتنا کہ ان کا غلام یرقان سے ڈرتا تھا۔ بلکہ یرقان سے زیادہ ان کے دلوں میں حضرت عمرؓ کی ہیبت تھی۔ حضرت خالدؓ کے معزول ہونے کے بعد کسی نے خالدؓ سے کہا کہ آپ کے علیحدہ ہونے کے بعد تو قوت نہ پھیل کر رہے گا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا وہ انہا لشکون و عمر حیوۃ فتنوں کی کیا مجال کہ سر اٹھائیں، جب کہ عمرؓ زندہ ہیں! (اصابہ جلد ثالث ص ۱۷۱)

۱۰۔ ایک بار محکمہ چنگی کے امیر حضرت زیاد کے خلاف ایک عیسائی تاجر فریادرسی کے لئے حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے کہا کہ مجھ سے دریائے فرات کے آبی ساحل پر آپ کے عامل نے چنگی کی رقم وصول کی ہے، اور میں نے ادا کر دی۔ لیکن جب میں اس راستہ سے اپنے گھوڑے کو لیکر دوبارہ واپس ہوا تو وہ مجھ سے دوبارہ چنگی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، کفیت، یعنی اس کا انتظام کر دیا جائیگا۔ وہ نصرانی ہے مجھ کا میری فریاد نہیں سنی گئی۔ اس لئے دل میں یہ خیال لینے ہوئے چلا کہ اب ایک ہزار چنگی اور دینی ہوگی۔ چنانچہ اس نے فرات کے ساحل پر پہنچ کر دوبارہ چنگی کی رقم حضرت زیادؓ کے حوالہ کرنی چاہی، حضرت زیادؓ نے فرمایا کہ اپنی رقم کو اٹھالے۔ کیونکہ امیر المؤمنین حضرت

تجلی اور زندگی کے فائل

میرے پاس تجلی ۱۰ سال کے مجلد فائل ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۵ء تک کے اور زندگی مجلد فائل ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۷ء تک کے موجود ہیں۔ میں کچھ اسباب کی بنا پر ان کو علیحدہ کرنا چاہتا ہوں۔ خواہشمند حضرات مندرجہ ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

ڈاکٹر محمد جان۔ رفاه عام دواخانہ
مین پوری گیٹ فیروز آباد۔ ضلع آگرہ۔

آسمان صحافت کا ایک روشن ستارہ

ماہنامہ انوار اسلام

نگراں۔ ابو محمد امام الدین رام نگر

”انوار اسلام“ وہ اسلامی ماہنامہ ہے جو دین و ملت کے تحفظ کے ہر محاذ کی نگرانی کر رہا ہے۔ وہ غیر مسلموں سے اسلام کا تعارف کر رہا ہے۔ مخالفین کے گمراہ کن پروپیگنڈوں کا جواب دے رہا ہے۔ اور تمام ادیان و مذاہب اور نظریات زندگی پر اسلام کی فوقیت و برتری ثابت کر رہا ہے۔ اور سابقہ ستمناؤں کے ایمان و اسلام میں استحکام پیدا کر کے ان کو حالات زمانہ کا مقابلہ کرنے کے قابل بنا رہا ہے۔ اس مقصد کے لئے ”انوار اسلام“ متفرق مضامین شائع کرنے کی بجائے مختلف اہم عنوانات پر مسلسل کتابیں شائع کر رہا ہے تاکہ ہر مسلمان گھر میں ایک لائبریری بن جائے۔

کتابوں کی تفصیل خط لکھ کر معلوم کیجئے۔ اور ”انوار اسلام“ کے خریدار بنئے۔ مسالانہ قیمت۔ صرف چار روپے دیانتدار ایجنٹوں کی ضرورت ہے۔

منیجنگ: ماہنامہ ”انوار اسلام“ رام نگر
(دبئاریہ)

ازلی وابدی حقیقت بن کر جگمگا رہی ہے۔ (دفتوح البلدان للبلادی ص ۱۲۶) ودرس الناس یخ جلد دوم ص ۹ و شہر مشاہیر الاسلام جلد اول جزء ثانی ص ۳۸۳ حضرت عمرؓ کے حسب حال یہ کیا خوب شعر ہے

میں وہ ایاز ہوں اے طالبان نام و نود
بنائے کھوڑ دیے جس نے سبکدوش محمود

خدائی وعدہ خدا کا وعدہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے دین کی مدد کریں گے اللہ بھی ان کی مدد فرمائے گا

اس وعدے کو خدا نے کس طرح پورا کیا اسی حقیقت سے دلچسپ کتاب واقعات کی روشنی میں روشناس کراتی ہے ایک اچھوتی کتاب۔ درس آموز اور ایمان افروز۔ مجلد پانچ پڑھیے۔

تاریخ زین القضاة احمد بن محمد کی المذنبات کا تفسیر اور ترجمہ۔ یہ کتاب دلوں کو نکھلانے اور ذمہوں کو پاکبازی کی طرف مائل کرنے والے واقعات و قصص، مواظظ و حکم اور آیات و احادیث کا دلکش گلہ سترہ ہے۔ عربی متن بھی اردو ترجمے کے ساتھ۔ سو اتین روپے۔

گناہ بے لذت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب نے اس کتابچے میں بہت سے ان گناہوں کو جمع کیا

ہے جن کا عذاب تو شدید ہے اور ان کا ارتکاب ہم اپنی حالت یا لاپرواہی کی وجہ سے برا بھلا کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان میں کوئی لذت بھی نہیں ہے۔ ہر مسلمان کے لئے یہ تحفہ کتابچہ ہے جس کا موقع دیدے۔ ۲۵ روپے۔

نجات المسلمین اس کتابچے میں حضرت مفتی صاحب نے

کچھ ایسے اعمال چھپے ہیں جو بہت زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہوتے ہیں۔ پچاس روپے۔

عقائد اسلام مولانا عبدالحق حقانی کی ایک گرفتار کتاب

اسلام کن بینادی عقائد کا نام ہے۔ کن چیزوں پر یقین رکھنا مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے۔ ایک مفصل اور مستند کتاب۔ چار روپے۔

مسئلہ اہتم نبوت علم و عقل کی روشنی میں | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی

نہ ماننا بلکہ ان کے بعد بھی کسی ظلی یا بروری یا کسی بھی قسم کے نبی کا امکان تسلیم کرنا کن دینی ہلاکتوں اور اعتقادی انتشار و اختلال کا موجب بن سکتا ہے اس پر نہایت روشن اور پینہ رنگتکو سواد روئے کا موجب بن سکتا ہے اس پر نہایت روشن اور پینہ رنگتکو سواد روئے محمد بن عبدالوہابؒ مسلمانوں میں جو دینی گالی "وہابیت" کے عنوان سے رائج ہو گئی ہے اس کی نسبت ایک مظلوم مصلح کی طرف ہے۔ یہ صلیح کون تھا۔ کیا تھا۔ کس طرح اسے دشمنان اسلام نے بدنام کیا اور کیسے غلط خیالات ہم مسلمانوں میں اس کے متعلق رواج دیدیئے گئے مولانا مسعود عالم ندویؒ کی یہ کتاب سچائی کے رخ سے کذب و افتراء کے پردے ہٹاتی ہے۔

دو روپے ۷۵ پیسے

نماز کے تمام ارکان و اجزاء کی حکمتیں اور عقلی و قلبی مہیری نماز | فوائد ساتھ ساتھ وضو تیمم اور طہارت وغیرہ کے مسائل بھی شامل ہیں۔ ایک روپیہ

ایک اصلاحی و تعمیری نظم جو مسلمانوں کی بعض اہمینہ عبرت | افسوسناک خامیوں پر اصلاحی رخ سے توجہ دلاتی ہے۔ تیس پیسے

تعلیم کے موضوع پر مولانا سید حامد علی کا تعلیم کا مسئلہ | ایک وسیع مقالہ جس میں صحت مند اور صحیح زاویے سے اس موضوع کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت چالیس پیسے

امام ابن تیمیہ کی مشہور زمانہ کتاب منہاج حسین و نیرید | الستہ کا ایک باب تاریخی حقائق علمی نقد کی کسوٹی پر سلیس و شگفتہ اردو ترجمہ مولانا عبد الرزاق بلخ آبادی کا ہے۔ بیچاس پیسے

دو مضمونوں پر مشتمل یہ تصویر علم و عقل کی روشنی میں | کتابچہ "تصویر" کے موضوع پر آپ کو علمی و منطقی معلومات فراہم کرے گا پہلا مضمون مولانا اسحق ندوی کا ہے اور دوسرا مولانا مودودی کا قیمت بیچاس پیسے

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط | ایک بے مثال تاریخی دور کی انتظامی

خصوصیات اور امور مملکت کو سمجھنے کیلئے بہترین دستاویز ۳۲۵ خطوط قیمت جلد نو روپے

احسن الصلوٰۃ | نماز و طہارت کے مسائل پر ایک عام فہم کتابچہ۔ قیمت ۳۱ پیسے۔

اشیاء النبوة | حضرت الف ثانی کا ایک نادر رسالہ جو نبوت کے موضوع پر نادر چیز ہے۔ اصل عربی متن کے ساتھ سلیس اردو ترجمہ۔ تقریباً دو روپیہ

مقالات شیخ الہند | وحی اور اس کی عظمت و حقیقت پر شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ کے عالمانہ و حقیقت افروز فرمودات۔ ایک روپیہ

دنیا و آخرت | مولانا اشرف علیؒ کے چند اثرات نیکز مواظظ جن کا موضوع نام سے ظاہر ہے

ہر حصہ مکمل مع کور۔ دس روپے

قرآن کا مطالعہ کیسے؟ | اگر آپ قرآن کے ترجمہ و تفسیر سے تحقیقی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور پڑھیے۔ یہ آپ کو بڑی صاف اور مفید رہنمائی دے گی۔ ایک روپیہ ۲۵ پیسے

انسان کی حقیقت | امام غزالیؒ کی مشہور کتاب کیمیائے سعادت کا ایک حقیقت افروز باب۔ اردو ترجمہ عام فہم اور شگفتہ۔ قیمت بیچاس پیسے

مولاانا مناظر احسن گیلانیؒ کی خاص تصنیف الدین ایتم | جس میں انہوں نے مذہب اور سائنس روحانیت اور مادیت الحداد اور خدا پرستی کے موضوعات پر مفکرانہ اور محققانہ اسلوب میں علم و تفقہ کے موتی بکھرے ہیں۔ پھر ثابت کیا ہے کہ مضبوط اور محفوظ دین بس اسلام ہی ہے قیمت چار روپے ۲۵ پیسے۔

مکتبہ تجلی - دیوبند (وہابی)

جمیل مہدی

آج اور کل

سے انگریز حاکموں نے فوج تک میں علاؤ تانی تعصب اور افتراق کو باقی رکھنے اور پروان چڑھانے کی کوشش کی کہ جس سے جو کبھی سمجھوتہ با رہا اور ثابت ہوئی تھیں کہ ایک صورت کی تحریک دوسرے صورتوں سے منگائی ہوئی پلیس اور فوج کے ہاتھوں دیادی جاتی جن صورتوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی وہاں انگریزوں نے اقتدار کی باگ ڈور ہنر و دلوں کے ہاتھ میں سونپ رکھی تھی اور جہاں غیر مسلم زیادہ تعداد میں تھے وہاں مسلمان حاکموں کا قول بالا تھا پنجاب کے مسلمانوں کی حالت زار ظہور بنگال کے کسانوں کی کسی سپر سی کا سبب ہی تھا جبکہ یو، پی، سی بی اور دوسرے صورتوں میں ہندو اپنے آپ کو پریشان محسوس کرتے تھے۔ اس تہید کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ہندوستان کی جغرافیائی آب و ہوا اور یہاں کے باشندوں کی نفسیات ہی کچھ ایسی واضح ہوئی ہے کہ انھیں مقابلہ اور مجاہدہ کے سامنے دب جانے اور خوف زدہ ہو جانے کے سوا کوئی راستہ ہی دکھائی نہیں دیتا۔

گاندھی جی ایک بہت بڑے لیڈر ہونے کے علاوہ بہت بڑے ماہر نفسیات بھی تھے۔ اسی لئے انھوں نے انگریزوں کے مقابلہ کے لئے ہندوستانوں کو ہتھیار اٹھانے اور مسلح مقابلہ کی انگ دینے کے بجائے اہمسا اور عدم تشدد کے ہتھیار سے مقابلہ پر اکسایا اور تیار کیا تھا۔ قید کاٹنا اور نظر بند ہونا بہت بڑی بات تھی، لیکن اس خطرہ سے بہر حال کم ہی تھی جس میں جان دینے اور جان لینے کے سوا دوسرا طریقہ کاری نہیں رہتا۔ گاندھی جی کو اچھی طرح معلوم تھا کہ جان لینے والوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ انھکی کے پوروں پر شمار ہو جانے کے لائق ہی جان دینے والے کھڑے نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے انھوں نے عدم تشدد کی پٹی

ایک ایسے ملک کے لئے جیسا کہ ہندوستان ہے، پالیسی طریقہ کار اور چارہ کار کے طور پر ہی راستہ ٹھیک اور درست ہے جو گاندھی جی کی رہنمائی میں کانگریس کے رفقاء نے طے کیا تھا۔ کرنے کو ہر شکر سکتے ہیں کہ انہی لمبائی پوزرائی اور رقبہ کے لحاظ سے ملک ایک بڑا عظیم کہلانے کا مستحق ہے۔ دوسروں کی رور رعایت اور لحاظ کے خیال سے برصغیر تو ہم اسے آج تک کہتے ہی آئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس ملک کی وسعت اور بڑائی اس کے لئے ہمیشہ سے فخر ہے بجائے خطرے اور تشویش کا سبب بنی رہی ہے، مسلمانوں نے اپنے عہد میں اس ملک کو سیاسی اور سماجی لحاظ سے ایک حد تک متحد کر دیا تھا۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد اس ملک میں اتحاد کے کوئی آثار نہیں پائے گئے اور نہ ہی آج پائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کا مسند قومی سیاسی لحاظ سے ۱۹۲۱ء - ۱۹۲۳ء کے بعد ہی طاقت حاصل کر سکا، لیکن ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۲ء تک بھی کہ انگریزوں نے یہاں انتظامی یونٹوں کا نام صوبے رکھ چھوڑا تھا۔ سیاسی اور ذہنی وحدت ہمیشہ کی طرح مفقود تھی مختلف ناموں طرح طرح کے اقرارات پیدا کرنا اس ملک کی خصوصیت رہی ہے اور اس لحاظ سے نو دنیا کا کوئی ملک ہندوستان کا مقابلہ نہیں کر سکتا کہ یہاں افتراق کا جذبہ پینے پیدا ہوتا ہے اور اس کے لئے دلائل اور وجوہ بعد میں پیدا کرنے جاتے ہیں۔ انگریزوں کے عہد میں یہاں مسلمان تھے ہندو تھے انگریزوں کو لوگوں کا ایک طبقہ تھا جو رنگ کے بجائے محض دین کی بنیاد پر اپنے آپ کو حاکم لوگوں کے طبقہ میں شمار کرنا تھا۔ مختلف ریاستیں تھیں۔ پھر ان برس کے مسائن تھے۔ راجستھان راضی پنجاب، غنشی سندھ، اس راجستھان اور اسی قسم کے ناموں

ہیں کہ پاکستان دور سے مسائل ہم سے پہلے طے کر کے کشمیر کا مسئلہ ان سب کے بعد میں معرض بحث میں آجائے گا۔۔۔“
مقصود یہ کہ ہم کشمیر پر اپنے دعوؤں کو بار بار دہرانے کے باوجود بھی اس کی بہت اپنے اندر نہیں پاتے کہ واضح، صاف اور ایک ہی معنی دینے والے الفاظ میں دنیا کو یہ بتا سکیں کہ کشمیر پر ہم کسی حالت میں بات چیت نہیں کریں گے۔

تا شقید معاصرہ کے بعد پاکستان نے شہر مچا یا کہ تم نے ۱۳۶۷ ایکڑ کا رقبہ لاکھڑے سیکٹر میں اپنے قبضہ میں بدستور رکھا ہے ہم نے ان سے صاف صاف کہہ دیا کہ یہ ہمارا علاقہ ہے ہم اسے خالی نہیں کریں گے۔ اخباروں میں، بیانیوں میں، کانفرنسوں میں ہم یہی کہتے رہے کہ ۵۵ اگست کی پوزیشن یہی ہے کہ یہ ۱۳۶ ایکڑ ہمارے قبضہ میں رہے۔ لیکن جب ساری دنیا میں شور مچا پاکستان کی پمبلسٹی اس دنیا کے آخری کوئے تک پہنچ گئی۔ اقوام متحدہ، روس، مصر، برطانیہ، امریکہ، اور سب لوگوں کو ہمارا رویہ اور موقف دونوں معلوم ہو چکے تو ہم نے ۳۶ ایکڑ رقبہ اس طرح چھپ چاہی خالی کر دیا کہ لوگوں کو پارلیمنٹ میں کئے جانے والے سوالوں ہی سے معلوم ہو سکا کہ ہندوستان نے وہ علاقہ خالی کر دیا ہے۔ اور پاکستان کو ایک بار پھر ساری دنیا کو یہ سمجھانے کا موقع دیدیا ہے کہ ہم اس سے آگے اور حالت کو طوالت میں ڈالنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں دیتے۔

مغربی بنگال میں شورش اور بے چینی کے آثار ظاہر ہونے خوراک کے مسئلہ کو لیکر وہاں کے مخالف لوگوں نے کانگریس حکومت کے خلاف تحریک کا آغاز کر دیا تو وہاں کے چیف منسٹر نے بڑے کدو فر اور بے نیازی کے ساتھ اپوزیشن کے لیڈروں سے بات چیت اور تبادلہ خیال تک سے انکار کر دیا۔ لیکن چوہی بنگال میں آگ لگی وہاں خون بہا، گولیاں چلیں، سرکاری محکموں میں تالے پڑے۔ ہوں اور پستولوں کا استعمال ہوا اور پندرہ کروڑ روپیے زیادہ کا سرکاری سرمایہ ضائع ہو چکا تو وزیر اعظم اندرا سے لیکر سو منسٹر تندرہ تک سب کلکتہ دوڑ پڑے چیف منسٹر کے ساتھ اپوزیشن لیڈروں کی ملاقات بھی ہوئی۔ مخالف پارٹیوں کے گمراہ شدہ لیڈر بھی رہا ہوتے۔ ان کے مطالبات کو تسلیم

کو عقیدے تک کا درجہ دیدینے کے لئے اپنی بساط بھر کر کشش کی۔ یہ بحث اب فضول ہے کہ ہندوستان کو آزادی ملی تو اس کا سبب عدم تشدد کے پھیلاؤ کی کامیابی تھی یا انگریزوں کے بین الاقوامی حالات اور پوزیشن میں ترقی آجائے اور کمزور پڑ جائے کی وجہ سے ہندوستان پر انھیں اپنی گرفت ڈھیلی کر دینے پر رضامند ہو جانا تھا۔ کہنا صرف اس قدر ہے کہ گاندھی جی نے عدم تشدد کا فلسفہ اس ملک کی نفسیاتی اور جغرافیائی تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے وضع کیا تھا۔ اس لئے ایک حادثہ حکیم کے مشورہ کے برخلاف جس طرح ایک مریض کا مستقبل محدود نش بن جاتا ہے اسی طرح ہندوستان نے بھی اب تک جتنی بار عدم تشدد کے باہر قدم نکالا ہے، زمین اسے ہمیشہ اس کے پیروں تلے سے ٹھکسکی ہوئی محسوس ہونے لگی ہے، تشدد و جنگ آزمائی، مسلح تصادم جب اپنے بس کی بات نہ ہو تو انسان کو صلح کل اور اس پسندینے کی کشش کرنی ہی چاہیے۔ کون نہیں جانتا کہ دنیا میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو محض اس لئے مرخانی مریخ اور صلح کل ہیں کہ بڑے کی بہت اور طاقت اپنے اندر نہیں پاتے۔ آزادی کے بعد اب تک تین چھوٹی بڑی جنگوں میں حصہ لیا ہے ان تین جنگوں میں دو پاکستان کے ساتھ اور ایک چین کے ساتھ ہوئی ہے، ان تین جنگوں میں ہم نے نہ تو کسی مہارت جنگ کا ثبوت دیا۔ نہ ہی ہم کوئی خاص اور با مقصد فتح حاصل کر سکے، چین کی تو بات چھوڑیے کہ اس کی نفرتی طاقت سے دوسرے دشمن سب خیزدہ ہیں، خود پاکستان کے ساتھ عظیم اور خوفناک تصادم کا نتیجہ ہمارے خیال میں نوڈیفینس منسٹر چوہان کے الفاظ میں اس سے زیادہ نہیں کہ ”ہمارے نقصان کا تناسب بہت زیادہ ہے۔“ تب پھر گاندھی جی کے فلسفہ عدم تشدد کو عملی طور پر تلا بھی دینے سے ہم کیا حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں؟۔

کشمیر کے مسئلہ پر ہم نے یہ موقف لے کر جنگ لڑی کہ کشمیر کا سوال ہمیشہ کیلئے طے ہو گیا ہے اب پاکستان کو اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ کشمیر کا نام لے کر اپنا حق جتانے لیکن جنگ کے نتیجہ کے طور پر ہم نے جو حاصل کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم ساری دنیا کو گول گول اور عروج و گداز الفاظ میں سمجھاتے پھرتے ہیں کہ تا شقید اصول سے انکار ہمارا دہرہ نہیں ہے ہم تو صرف یہ چاہتے

کرنے کی بات بھی چلی۔ جو ہونا تھا ہو چکا۔ کہہ کر معاملہ کو رفت و گذر منت کرنے کے امکان کا اعلان بھی ہو گیا۔

پنجابی صوبہ۔۔۔ اپنی توار سے کاٹا ہوا ایک سر، جب سلکھ کہتے تھے۔ ہندو کہتے تھے، ساری دنیا کہتی تھی کہ پنجابی زبان ہی پنجاب کی زبان ہے۔ وہاں کے سارے سکھ، سارے مسلمان پنجابی بولتے ہیں پنجابی میں گاتے ہیں۔ پنجابی میں مین کرتے ہیں پنجابی میں ہی اپنے بچوں کو پوریاں مناتے ہیں بہر وراثت شاہ گانے اور صنگڑاہ ناچتے ہیں۔ تو جن سنگھ اور رائشر سیوک سنگھ کے بہادروں نے کہا نہیں۔ ہندوؤں کی زبان سارے ہندوستان میں ہندی کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں ہے۔ ”پنجابی سکھ سے کوئی زبان ہی نہیں۔ ایک شور مچا۔ ایک آفت آئی اندولن ہونے لگنے سے کف مچنے لگی، آنکھیں لال ہوئیں اور پنجاب میں دو راجن، دو علاقے قائم ہو گئے ایک میں ہندی بولی جائیگی۔ ایک میں پنجابی۔

تب سکھوں نے کہا پنجابی بولنے والا علاقہ ایک علیٰ صوبے کے نام سے پکارا جانا چاہیے۔ ہمارا پنجابی صوبہ الگ کر دو، زبان کا اختلاف اب مذہب کا اختلاف بننے جا رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ یہ اختلاف دشمنی میں تبدیل ہو ہم چاہتے ہیں کہ عافیت سے الگ ہو جائیں۔ تب وہی لوگ جو پہلے خود پنجابی علاقہ کو الگ کرانے کا سبب بنے تھے، ایک بار پھر کف درد بان ہو گئے پنجابی صوبہ نہیں بنے گا۔ یہ زبان کے بجائے مذہب کی خاطر بتایا جا رہا ہے۔ پنجابی سکھ سے کوئی زبان ہی نہیں ہے۔ ایک بار پھر وہی طوفان وہی تقریروں کے شعلے، وہی دھمکیوں کی آگ مرن برت کی بجلیاں۔ وہی کھیل، لٹھیوں کا، گولیوں کا، گیس اور خون کا کھیل۔ لوگوں کو زندہ جلادینے کی شقاوت۔ تشدد کا مقابلہ تشدد سے ہونے کا امکان نظر آیا تو ایک رات میں وہ معلوم ہو گیا جو تیرہ دن کے خالق میں نہ معلوم ہوا تھا۔ یعنی اب یقین آ گیا ہے کہ پنجابی صوبہ مذہب کے بجائے زبان کی بنیاد پر بن رہا ہے۔۔۔ قصہ ختم۔ معاملہ رفت و گذر منت

سارے ہندوستان نے ریڈیو پر ایک مختصر سی خبر سنی۔ بستر کے معزول شدہ راجہ پروین چند بھنگ دیو۔ پارچ باجھہ آدمی کے باسیوں کے ساتھ اپنے محل میں مروہ پائے گئے۔ اگلے دن شوہر ہوا پولیس نے انھیں محل میں گھسن کر قتل کر دیا۔ پھر خبر آئی قتل انھیں محل کے باہر کیا گیا۔ بعد میں پولیس نے انکی لاش محل میں رکھ دی۔ مدھیہ پردیش میں خوف، اضطراب اور تشویش پھیل گئی۔ اسمبلی میں لوگوں نے بولنا چاہا، بولتے تک کی اجازت نہیں پارلیمنٹ تک میں جس کے ذقار اور دبہ کو اب تک متاثر بنا یا جاتا تھا۔ لوگوں نے سوال پوچھنے چاہے تو اجازت تک نہ ملی کچھ لوگوں نے اٹھ کر شور مچایا، بدتمیزی پر اتر آئے پڑے پھاڑ ڈالے۔ اسپیکر سے تو تو میں میں ہوئی، نکالنے کو مارشل آیا تو اس بھی جھپٹ ہوتے ہوئے بچی۔

تب ہی بگڑے ہوئے بیورد درت ہو گئے۔ خلاف قانون سوال قانون کے اندر آ گئے۔ بستر کی صورت حال پر نہ صرف سوال پوچھنے کی اجازت مل گئی بلکہ پورے تین گھنٹے اس معاملہ پر بحث کے لئے مہیا کر دیئے گئے۔

یہ سارے الزام تسلیم کہ ایڈیشن نے تہذیب کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا، بدتمیزی کی پارلیمنٹ کی تاریخ پر کچھ طیل دی۔ انسانی قدروں تک کا لحاظ نہ کیا مگر صرف ایک سوال کی اجازت دی جائے۔

”بدتمیزی سے وہ سب کچھ مل جائے جو تیر سے کسی حالت میں نہ ملے تو کیا کرنا چاہیے۔؟“

یا پھر سوال کی زبان سے اس سوال کو یوں دہرایجئے۔
ہوں اگر شہروں سے بن پیرا لے تو شہر اچھے کہ بن؟

دیوبند میں گورنر کیرالہ جن نے تفسیر کی۔
”لاہور پر قبضہ یا تو اسی وقت ہو گیا ہوگا، یا شام تک آپ سن لیں گے کہ یہ آکاس وانی لاہور ہے۔“
۱۷۔ دن کی مسلسل جنگ رمانی کے بعد اقوام متحدہ کی نعت پر فائز بندی ہوئی۔ تاشقند معاہدہ ہوا۔ نو صوبے چھپے ہوئے لیکن۔
لاہور، فاضلکا، راجستھان، سب الگوٹ سیکٹروں میں ہر گنت

دلائی جائے گی۔ ” ۳۰ کروڑ کے سرمایہ سے ہندوستان میں مشترکہ تعلیمی اسکیم جاری ہوگی۔ اللہ اللہ! خیر صلاً۔ ایک بار پھر اخباروں میں ہندوستانی عوام ٹرہ رہے ہیں۔ ” وزیر اعظم انڈیا کا مقصد امداد حاصل کرنا تھا ہی نہیں۔ انہوں نے صدر جانتسن سے فوجی اقتصادی امداد کے مسئلہ پر بات چیت ہی نہیں کی۔ ” وزیر اعظم انڈیا کے دورہ امریکہ کا مقصد صرف اتنا تھا کہ امریکہ اور ہندوستان کے تعلقات مزید خوشگوار اور مضبوط ہو جائیں۔ ”

آٹھ دس دنوں کے اندر دعووں اور سفالطوں کا یہ مظاہرہ عوام کی یادداشت کمزور ہونے کی شہادت اس دلیل کے تقریباً ہر سبب سے داں نے دی ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ یادداشت کے خانے میں لہجہ اندھیرا کر دیا جائے!

گاندھی جی کا فلسفہ دو بنیادی ارکان پر مشتمل تھا۔

عدم تشدد کا رویہ۔ صحیح مقصد کو صحیح راستہ سے حاصل کرنا۔ بارہ دلائی کی تحریک، سول نافرمانی، کشمکش اور خود ستمانی، فتح کا چہرہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ گاندھی جی نے تحریک واپس لے لی۔ ” ایک بھگت شد کا استعمال ہو گیا تھا۔ ” اور گاندھی جی تشدد کی امداد سے فتح کا خواب تک نہ دیکھ سکے تھے۔ ” آج ہر بھگت شد کی فتح ہے۔ لوگوں میں یہ عقیدہ بڑھ رہا ہے کہ وہ تشدد سے ہر کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ صحیح مقصد کو صحیح راستہ سے حاصل کرنے کے بجائے، ہندوستان کی حکومت کے ذمہ دار افراد اور یہاں کے عوام صحیح مقصد کو غلط راستے سے بلکہ اکثر اوقات غلط مقصد کو غلط راستے سے حاصل کرنے کی راہوں پر چلنے لگے ہیں۔ ایسا نہ کر دو۔ ایسا نہ ہونا چاہیے کچھ بلکوں، کچھ قوموں کی مخالفت، اپنے سچا وقار، غلط فکر اور جھوٹی عظمت کی غلط اصولوں کو چھوڑنا۔ فنا آمدنی کا دوسرا نام ہے۔ اعراض بدلتی رہتی ہیں۔ اصول قائم رہتے ہیں، اصولوں کو ہلکا جلانے اور انہیں جنبش دینے سے کام آج تک بنا نہیں۔ وہ ملک اور قوم فنا ہو جاتی ہے۔ جو عظیم خوشحال لیکن بصیرت سے عاری اور اصولوں سے بی پروا ہو۔ وہ قوم باعظمت

والی پوزیشن پر کشتی میں لٹکے آئی پوزیشنوں پر۔ اردوں تک خبروں کا عجیب انداز رہا۔ ” لاپ، پرتاپ، الجھت، قومی آواز، ہندوستان ٹائمز، دہلی ریٹیو۔ ” سب یہی خبر سناتے رہے کہ لاہور پر قبضہ کوئی دن کی بات ہے۔ بعض اخباروں نے تو ہندوستانی فوجوں کو لاہور سے بھی کئی میل آگے لے جا کر پیش قدمی کرادی۔ خود وزیر اعظم شاستری نے پارلیمنٹ میں کہہ دیا ” جلد ہی آپ کوئی اہم خبر سنیں گے۔ ” شاستری نے معاہدہ ہوا تو اخباروں نے، لیٹروں نے۔ ” ذریعوں نے ایک ساتھ کہنا شروع کر دیا۔ لاہور پر قبضہ ہمارا مقصد نہیں تھا، ہم نے خود ہی لاہور کو فتح نہیں کرنا چاہا۔ ایک صاحب نے بڑی لطیف بات کہی کہ لاہور پر قبضہ کر لیتے تو وہاں کی چکیوں کو لاکھ آبادی کو خوراک کہاں سے دیتے۔

چلنے قصہ تم۔ نہ پہلے سے کہی ہوئی بات کا لحاظ نہ زبان بدلنے میں تکلیف۔ نہ جھوٹ ثابت ہو جانے کا خوف، شاید عوام کے اتنی حد تک احمق ہونے کا اعتماد ہندوستان کے عوام کسی دوسرے ملک میں نہیں پایا جاتا!

ایک دوسرا منظر۔ ” وزیر اعظم انڈیا کے دورہ امریکہ سے

پہلے، ” امریکہ ہندوستان کی اقتصادی امداد وزیر اعظم سے بات چیت کے فوراً بعد شروع کر دیگا۔ ” وزیر اعظم امریکہ پر ہند کی فوجی امداد شروع کرنے اور پاکستان کی امداد بدستور بند رکھنے پر زور دیا ہے۔ ” ہندوستان کی فوجی اور اقتصادی امداد کی بحالی وزیر اعظم کے دورہ امریکہ کے بعد چینی ہے۔ ”

وزیر اعظم انڈیا امریکہ نہیں۔ دورہ کیا صدر جانتسن سے ملاقات کی۔ ان کی سنی، اپنی سنی، امریکہ کے سیرف انکنکس میں تقریریں کیں، راک فیلر اور ایٹرومڈیا کلب کے ممبروں سے ملین شتر کہ اعلامیہ شائع ہوا۔

” امریکہ خوراک کے بحران میں ہندوستان کے ساتھ ہے۔ ” ” خوراک کے سنگٹ کو دور کرنے کے لئے ہر ممکن امداد

عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟

انہ:۔ خدیجہ نوید عثمانی

دو برس تک کی بعض خواتین کا ذکر جمیل۔ دلگذا
اور انٹر آفسرین اسلوب میں۔ ادب و انشاء
کی رعنائیوں سے لبریز۔

قیمت مجلد ڈیڑھ روپیہ ۱/۵

خوش حال اور اقبال مند بن جاتی ہے جو مفلس، غریب کمزور
لیکن بصیرت کی حامل اور اصولوں کو نظر میں رکھنے والی ہو۔
ہندوستان خوابیدہ تھا۔ اٹھارہ سال پہلے اس نے
آنکھ کھولی ہے، اسے چلانے کی کوشش کرو۔ ایسا نہ کرو کہ
اس پر پھر غفلت، پھر نیند پھر سستی چھا جائے۔ غلامی باہر سے
آئے تو دور کی جا سکتی ہے، اندر سے پیدا ہو جائے تو لا علاج
ہے مہلک ہے ایسا مریض کمزور ہو جاتا ہے۔ ایسا مریض
مر جاتا ہے۔

مسجد محکمہ

ملائی کے قلم پاروں کا شاندار انتخابتاری شکل میں چھپ گیا ہے۔ یہ انتخاب نئے قارئین کیلئے
تو خاص تحفہ ہے ہی۔ پُرانے قارئین بھی اسے پُرکشش پائیں گے کیونکہ ملائی نظر ثانی نے اسے مزید
تیکھا پن عطا کیا ہے۔

اور نیے!

ملا نے خاصا مفصل پیش لفظ بھی لکھ مارا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسا لغو مگر پہلو دار پیش لفظ آج تک
بڑے بڑا احمق بھی نہ لکھ سکا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صفحات ۲۲۸۔ قیمت — پانچ روپے

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (دیوبند)

عربی کے شائقین ملاحظہ فرمائیں

میں نے یہ بات ایک ایسے شخص سے سنی ہے جسے چہرہ سے پہچانتا ہوں (کہ انسانی صورت شکل والا تھا) مگر نام نہیں جانتا۔ (مشکوٰۃ) " جواب خطہ ملنے پر ندوۃ العلماء ہند لکھنؤ کو ایک جوائی کارڈ کے ذریعہ جن باتوں کے لئے آزاد ہند لوکل (مقامی حیثیت رکھتی ہے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ میں دوران بلوہ بمقام جمشید پور۔ حملہ بھالو یا سہ کیرپ میں اللہ کے بھروسہ پر مقیم تھا اس وقت مجھے ندوۃ العلماء ہند لکھنؤ کا جواب ملاحظہ ہو۔

عنایت نامہ ملا۔ آپ نے جن باتوں کے متعلق دریافت فرمایا ہے اس کے بارے میں عرض ہے کہ عربی (زبان) میں اس طرح کی حرکت نہیں آتی مبنی کے لئے غنمہ فتحہ۔ کسرہ۔ سکون اور معرب کے لئے رفع نصب جس کی تصریح کتب نحو و صرف میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ جو حرکات ہیں وہ لوکل (مقامی) حیثیت رکھتی ہیں۔ عربی میں ہماری دانست کے مطابق موجود نہیں ہیں جیسے آپ مزید تحقیق کر لیں اور اگر کوئی بات اس کے خلاف دریافت ہو تو براہ کرم مطلع فرادیں۔
بقلم سعید الاعظمی۔ یکم اپریل ۱۹۶۷ء

ڈاکٹر عبدالودود شرقی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ ڈی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ ۱۵۴ بھیماروڈ۔ سدھگورا۔ جمشید پور۔ ۱۶ (بھاراسٹیٹ)

قدیم عربی کے طلباء کے مطالعہ کے لئے ذیل کے اہم سوال و جواب شائع کر رہا ہوں تاکہ وہ اپنے سوالات کا جواب خود حاصل کر لیں جبکہ میں الکتاب الاولیٰ فیہم العربیہ القدیمہ کی تالیف کرنے بیٹھا تو مجھے بہت کچھ چھان بین کرنے کی ضرورت پڑی جس کے باعث مجھے جمعیتہ العلماء ہندوستانی اور ندوۃ العلماء ہند لکھنؤ کو خیال میں لانا پڑا اور سب سے پہلے جمعیتہ العلماء ہند معرفت دارالعلوم دیوبند کو جوائی کارڈ سے یاد کیا عرصہ دراز کے بعد مجھے دارالعلوم دیوبند سے جواب ملا کہ:-

جس نے عربی زبان میں ان سب باتوں (کھڑا زبر کھڑا زبر۔ الشائیش نیچا سم کے اعراب کو مجزوم کر دینا وغیرہ) کا اضافہ کیا ہے وہ دہلی میں مقیم ہیں انہیں خط لکھئے یہاں (دارالعلوم دیوبند کو) بالکل خط لکھنے کی ضرورت نہیں ہے نام ان کا رحمان ہے۔

حسب تحریر دارالعلوم دیوبند میں نے متواتر جوائی کارڈ بمقام دہلی لکھا حتیٰ کہ یہ حدیث بھی لکھ کر بھیجی مگر کوئی جواب آج تک نہیں ملا کہ:-

حضرت عبدالرشاد ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ آئندہ زمانہ یقیناً ایسا ہو گا کہ شیطان (بنات خود جن ہے۔ سورہ الکہف ملاحظہ ہو)

انسانی صورت میں آکر لوگوں کو بھوٹی باتیں سنائے گا اس کی باتیں سنکر لوگ متفرق ہو جائیں گے۔ جب ان میں سے کوئی شخص اس کی باتوں کی دوسروں سے روایت کرے گا تو کہے گا کہ

صحت برقرار رکھنے کے لئے مفید باتیں

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تندرستی - حسن اور جوانی کی امتگوں اور ولولوں کا انحصار معدہ - جگر اور آنتوں کی سلامتی پر ہے اور تمام اعضاء جسم کی سلامتی کا دار و مدار معدہ کی درستگی پر ہے کیونکہ جملہ اعضاء کی غذا کا معدہ ہی کفیل ہے۔ جب معدہ میں کمزوری پیدا ہوتی ہے یا کوئی خرابی لاحق ہوتی ہے تو جگر اور آنتوں کا فعل بھی بگڑ جاتا ہے ان اعضاء کی کمزوری کا نتیجہ ہوتا ہے کہ باوجود مقوی غذائیں کھانے کے جسم کمزور پڑتا جاتا ہے۔ درد سر چکر - نیند کی کمی - تخییر - نزلہ اور یاج کی زیادتی وغیرہ عوارض گھیر لیتے ہیں۔ اگر آپ صحت مند زندگی گزارنے کے آرزو مند ہیں تو اپنے معدہ جگر اور آنتوں کو کمزور ہونے سے بچائیے اگر کمزور ہیں تو ان کی قوت کیلئے موزوں غذا استعمال کیجئے۔ علاوہ ازیں من کی خواہش اور زبان کے چٹخارے کے مطابق نہیں بلکہ معدہ کی قوت ہضم کے لحاظ سے غذا کھائیے یا در کھئے جو شخص بھی اپنے آلات ہضم کی طاقت کا لحاظ رکھے بغیر خوراک کھائے گا خواہ وہ کتنی ہی مقوی ہو وہ اتنا ہی کمزور و ناتوا جائیگا۔ طاقت کی بحالی اس پر منحصر نہیں ہے کہ کتنا کھایا جائے بلکہ اس پر ہے کہ معدہ کتنی خوراک آسانی سے ہضم کر سکتا ہے اگر آپ دور سے چل کر آ رہے ہیں یا کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں یا دیر سے لکھنے پڑھنے کے کام میں مصروف ہیں تو تھوڑی دیر آرام کر کے کھانا کھائیے۔ آہستہ آہستہ نوالہ کو اچھی طرح چپا چپا کر کھائیے تاکہ لعاب غذا سے بخوبی مل جائے۔ کھانا کھانے کے درمیان میں تھوڑا بہت پانی سرب خواہش پینا چاہئے لیکن غذا کے فوراً بعد نہیں غذا سے دو تین گھنٹہ بعد دو تین گلاس پانی پینا چاہئے رات کا کھانا دن کی غذا سے کم از کم ہلکا ہونا چاہئے اور جہاں تک ہو سکے بعد نماز مغرب کھالیا جائے جو لوگ رات گئے کھانے کے عادی ہیں یا رات کے وقت دیر ہضم ثقیل اور مرغن غذا میں خوب پیٹ بھر کر استعمال کرتے ہیں وہ خود اپنے معدہ کو کمزور بناتے ہیں۔

اگر خدا خواستہ آپ معدہ و جگر کی خرابی کے شکار ہیں یا کسی اور مرض میں ضروری نوٹ

بتلا ہیں تو اپنا مفصل حال مندرجہ ذیل پتہ پر لکھ کر مشورہ لے سکتے ہیں۔
مردانہ و زنانہ ہر قسم کے مرض میں مخلصانہ مشورہ دیا جائیگا۔ البتہ جواب کیلئے کارڈ یا الفاظ ضرور بھیجئے۔

پتہ - بیگم حکیم محمد عظیم زبیری - امر وہرہ - ضلع مراد آباد

کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟

جماعت اسلامی پر کئے جانے والے بنیادی اعتراض کی حقیقت اس کتاب سے آپ کے سمجھنے کی جس نے اسے ملاحظہ نہ کیا ہو وہاں ملاحظہ کر کے قیمت میں روپے ۳/۴) اس کے اختتام پر جس کتاب کی امید دانی گئی تھی الحمد للہ وہ گئی طبع ہو گئی ہے۔ اس کا مختصر نام ہے

الزامات کا جائزہ

اس میں ان الزامات کا منصفانہ جائزہ لیا گیا ہے جو جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر کئی فتوؤں کی شکل میں اور کئی کتابوں اور اشتہاروں کی صورت میں لگائے جاتے رہے ہیں۔ اور اب بھی لگائے جاتے ہیں پہلی فرصت میں پڑھئے اور حق و باطل کا فرق محسوس کیجئے اس کتاب کی قیمت ڈھائی روپے ہے۔ فوراً طلب فرمائے جو لوگ اسے اور کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟ کو ایک ساتھ طلب فرمائیں گے۔ انہیں ڈاک خرچ معاف کر دیا جائے گا۔

تاریخ اسلام پر ایک طاثرانہ نظر | معاشرتی تمدنی سلسلوں کی

اور علمی خدمات کا تذکرہ - قیمت چھ روپے (مجلد چھ روپے ۵۰ پیسے)

خلاصہ اشرف السوانح | ایک اچھی سوانح اہل ذوق کے

لئے دلکش تحفہ - قیمت دو روپے - ۲/۱

مولانا سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے

تذکرہ انوشیہ | حالات و سوانح اور آرزوآبادات

قیمت مجلد دس روپے -

کشمکش و ضلع بجنور | تاریخ کے موضوع سے دلچسپی رکھنے

والوں کے لئے دلچسپ تحفہ ہے۔ ڈاک فریڈ معین الحق نے اسے

مصنف کے حالات اور حواشی سے مزین کیا ہے۔ مجلد چھ روپے

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات | قطب الدین

ایبک سے لے کر سلطان ابراہیم لودی تک تمام سلاطین دہلی کے

مذہبی افکار و عقائد اور نظام حکومت پر ان کے اثرات کا تذکرہ -

قیمت ۸/- (مجلد ساڑھے نو روپے ۹/۵۰)

اسلامی خطوط نویسی | بچوں اور بچیوں اور معمولی لکھنوں

اور سلیقہ ضروریات زندگی میں سے ہے۔ اس کتابچے سے

تمام اٹھاسیے۔ رقم کاغذ ۶۰ پیسے کلینز کاغذ ۷۰ پیسے

سوانح حضرت بابا فرید الدین گنج شکر م | تحقیقی انداز میں

فرید الدین گنج شکر کی تحصیل سوانح - مجلد چھ روپے - ۶/۱

فضائل صحابہ و اہل بیت | حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ

کا اردو ترجمہ - شاہ صاحب اور شاہ رفیع الدین کے مکتوبات بھی

شامل کتاب ہیں - مجلد چھ روپے ۶/۱

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ | اپنے موضوع کی ایک معلومات

قیمت دو روپے پچھتر پیسے - ۲/۷۵

فیوض یزدانی | شاہ عبدالقادر جیلانی کی منتخب الزبانی آثار و

تھاٹنے کی چیز ہے - دس روپے آٹھ آنے (۱۰/۵۰)

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ | جلیل القدر اسلاف کے

تاریخی حالات - حصہ اول و دوم کی مجموعی قیمت

ایک روپیہ چالیس پیسے

مکتبہ تجلی دیوبند (پونہ)

کیونزم کے خدو خال نمایاں کرنے والی کتابیں

کیونزم اور کسان

زرعی مسائل پر ایشیائی نقطہ نظر سے سوچ بچار۔
 ان کے مشن کیونستوں کے حقیقی ارادے کیا ہیں؟
 ارجحیت داروں کا ذکر ہے یا خود کسانوں کا؟ اور
 کسان کی ذہنی ترقی کا صحیح راستہ کون سا ہے؟ ان
 ہم مسائل کا سیر حاصل تجزیہ مصنف رام ہرودپ
 دور ہے۔ ۵۰ پی۔

آزادی کی نئی وسعتیں

آزادی کے تصور نے ایک ٹھوس تصور بننے کے
 تاریخی مرحلے طے کیے ہیں اور ان میں جوئی رنگ
 پان ہوئی ہیں، ان سب کا ماحولیات افزودنیانہ
 گویا نکتہ۔ ۱۹۱ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ۔

کیونزم کی پہلی کتاب

۱۹۰۷ سوال اور ان کے جواب کیونزم کے متعلق
 ان عام طور پر پوچھے جاتے ہیں اس کتاب میں ان کے
 اور واضح جواب عام فہم انداز میں دیئے گئے ہیں
 مجلس عابدی۔ ۱۹۱ صفحات۔ قیمت ایک روپیہ۔

سوڈٹ روس کی حقیقت

سوڈٹ روس ہمارے زمانے کی ایک نئی حقیقت
 ہے جسے جاننے میں لوگ عموماً غلط رویہ اختیار کرتے ہیں
 لکھا جاتا ہے۔ اس کتاب میں روس کی حقیقت سے ہٹ
 ان حقائق کو سامنے لایا گیا ہے۔ کتاب دو حصوں میں
 ہے۔ ۱۹۱ صفحات۔ قیمت دو روپے۔

تجدید جنوں

آزادی کے شعری ادب میں تاریخی اضافہ۔ روس اور
 کی یورپ کے بائیس شاعروں کی کھرا کھیر نکتوں کا

منظوم اردو ترجمہ۔ غالب کے اس شعر کی کوئی بھی تفسیر
 نہ کئے رہے جنوں کی حکایات جو جھکان

ہر چند اس میں اتنا ہے قلم ہونے
 مترجمین مجلس عابدی اور محمد سعیدی۔ نظر ثانی گویا نکتہ
 قیمت پانچ روپے۔

گفتنی

محمود سعیدی کا مجموعہ کلام۔ بقول نیاز فتح پوری
 یہ مجموعہ عہد حاضر کے اردو ادب میں بڑا اچھا اضافہ
 ہے اور محمود سعیدی کی لکھی مستقبل کی پیشین گوئی کا خزانہ
 قیمت دو روپے۔

جمہوریت کی کیوں؟

ایک منثور جو اس سوال کا مدلل جواب دیتا
 ہے کہ سنیسی نظام کی حیثیت سے کیونزم کے
 مقابلے میں جمہوریت ہی کو کیوں اختیار کیا جانا چاہیے؟
 مترجم محمد رفیق خان۔ قیمت ایک روپیہ۔

خط تقسیم

کیونٹ چین کے غلام آباد سے چینی عوام
 کے خزاں کی کہانی تصویروں کی زبانی۔ ایک صورت
 کتابچہ۔ جو ماؤ لینن کے خدو خال پوری تفصیل سے
 پیش کر دیتا ہے۔ قیمت ۵۰ پی۔

نئی دنیا کی جھلکیاں

بصیرت افروز کتابچوں کا ایک سلسلہ
 مندرجہ ذیل کتابچے شایع ہو گئے ہیں۔

ہمارے دور کا انقلاب

وجودہ دور کے انقلابی تغاضے کیا ہیں اور ہیں

کس قسم کے انقلاب کی ضرورت ہے۔ ایک مالانہ بحث
 قیمت ۲۵ پی۔

اقتصادی سامراج

سامراج دشمنی اس دور کا مزاج ہے لیکن سامراج
 بھی مختلف مجلس بدل کر سامنے آ رہا ہے۔ اس کی تازہ ترین
 شکل ہے اقتصادی سامراج۔ یہ سامراج اپنے پاؤں کس
 طرح پھیلا رہا ہے۔ اس کتاب میں مفصل پڑھے قیمت ۲۵ پی۔

اقتصادی تعاون

امیر اور طاقتور ملکوں کا فرض ہے کہ وہ کمزور
 پس ماندہ ملکوں کی مدد کریں لیکن یہ پس ماندہ ملکوں کی آزادی
 اور خود مختاری کو نقصان پہنچائے بغیر ممکن ہے؟ ایک انتہائی
 معلومات افروز بحث۔ قیمت ۲۵ پی۔

موجودہ سماج میں طبقاتی نظام

طبقاتی نظام اور اس سے پیدا ہونے والی ناراضگی
 کے خلاف فلسفی اور سیاستاں ایک بحث سے جہاد کر رہے
 ہیں۔ اس کتاب میں طبقاتی نظام کی سرشت سے خاص
 علمی انداز میں بحث کی گئی ہے۔ قیمت ۲۵ پی۔

غیر جانبداری بطور ایک سیاسی نظریہ

غیر جانبداری کے مسئلے پر ایک علمی اور تاریخی
 بحث۔ کیا عالمی سیاست کے موجودہ دور میں کوئی ملک
 واقف سیر جانبدار رہ سکتا ہے؟ ایک انتہائی
 مفید اور خیال افروز بحث۔ قیمت ۲۵ پی۔

- ہر کتابچہ ہفتہ چکے کا عند پر
 شائع ہوا ہے۔
- خوب صورت ٹائٹل
- ہر کتابچہ ہندی میں بھی آئی قیمت
 پر دستیاب ہو سکتا ہے۔

اس پتے سے منگائیے، مکتبہ تجلی، دیوبند، ضلع سہارن پور

خبریں کہ من بعد القرآن و عا
 ہمسرا بہترین وہ شخص جو قرآن کیسے درسا

ادامہ ابن کثیر کی بلند پایہ تفسیر قرآن کا

مکمل تفسیر ابن کثیر ارض

وہ تفسیر جس کو ہر زمانہ کے علماء کرام کی قبولیت و فہم کا

تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ سب زیادہ قرآن کریم کو بطریق سلف صالحین سمجھانے والی تفسیر تفسیر ابن کثیر ہی ہے اور اس کے بعد تمام عربی و اردو تفاسیر اسی سے ماخوذ ہیں۔ ہندوستان میں یہ تفسیر پیش از مقامات شائع ہو چکی اور پوری ہے لیکن کوئی نہ کوئی بات ایسی ہو گئی جسکو خوانے ناپسند کیا۔ جس میں انتظا اور زنجیوں کیساتھ اہل نسخہ شائع ہوا آپ اسے تھا آج تک ہند پاک میں کوئی شائع نہ کر سکا۔ جو ایڈیشن اب تک شائع ہوئے یا تو وہ کتابت اور طباعت کی غلطیوں کے بھر پور تھے یا پھر اسمین ملی او حاشیہ طرازی جو جو ہے الحمد للہ اب مسعودی پبلشنگ ہاؤس نے دینی نے بغیر کسی تبدیلی و حاشیہ طرازی کے نہایت موزوں سا ترجمہ بہتر سے بہتر شکل میں جلد وار طبع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

عظیم تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے، شائقین کی سہولت کیلئے ہر چار ماہ بعد ایک جلد پیش کریں گے۔ ایک جلد کی قیمت دس روپے ہے، علاوہ محمولہ لڈاک۔ ایک جلد منگانی کے لئے پانچ روپے پیشگی آنے ضروری ہیں خصوصاً مسعودی پبلشنگ ہاؤس کے روپے پیسے والے حضرات کو محمولہ لڈاک معاف اور دو روپے کی مزید رعایت یعنی ایک جلد صرف آٹھ روپے میں ارسال کی جا رہی ہے۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر درج ذیل پتہ پر پانچ روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ فرما کر جلد طلب فرمائیں۔ جملہ خط و کتابت و ترسیل سزا کا پتہ ہے۔

مسعودی پبلشنگ ہاؤس — دیوبند۔ یو۔ پی۔ انڈیا